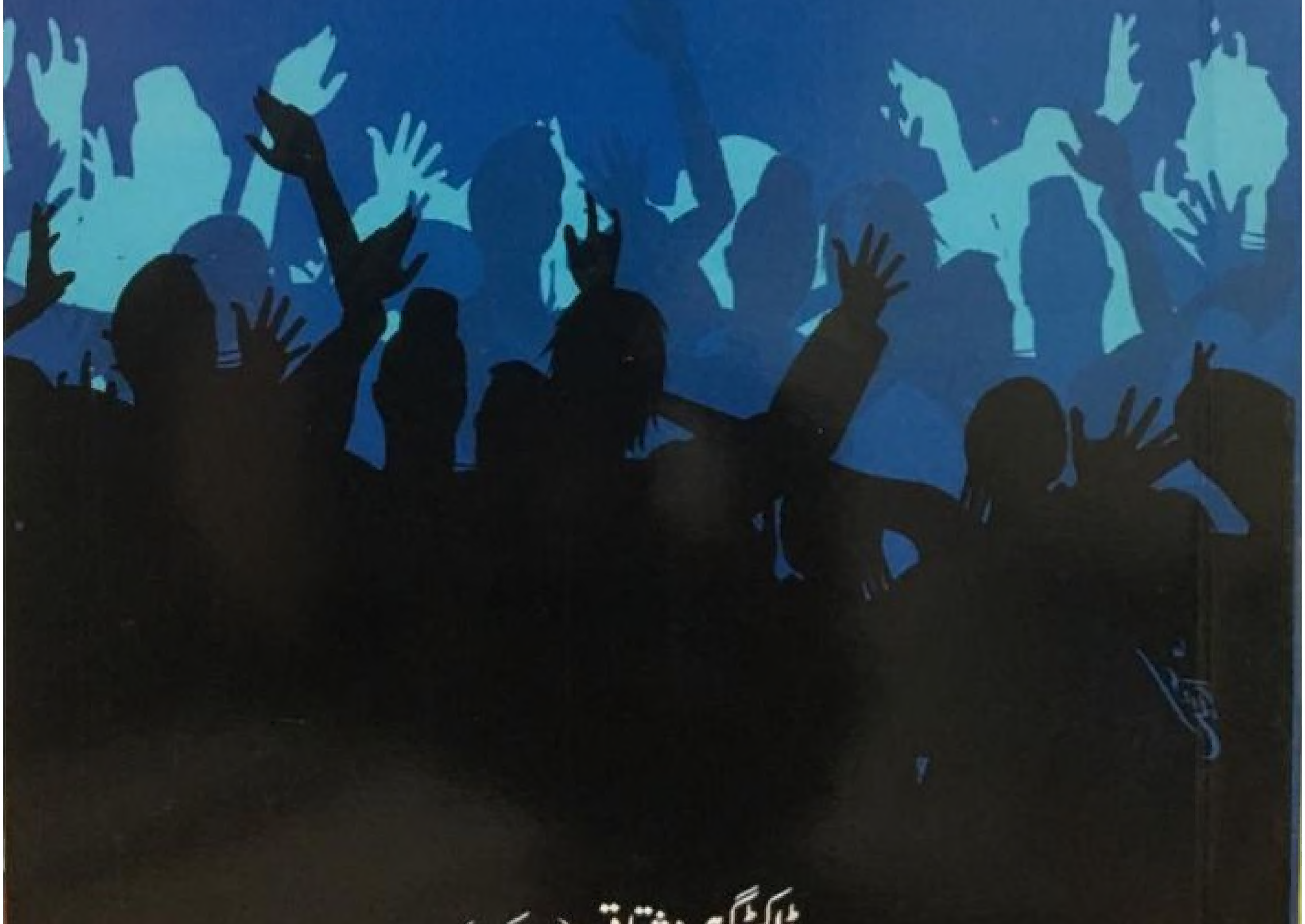
دجالی دور اور
مسلم نوجوان



ڈاکٹر گوہر مشتاق (امریکہ)

دجالی دور
اور
مسلم نوجوان

مصنف: ڈاکٹر گوہر مشتاق (امریکہ)

جدید ایڈیشن
(اہم اضافوں کے ساتھ)

اذان سحر پبلی کیشنز

منصورہ ملتان روڈ لاہور فون 042-35435667

نام کتاب	:	دجالی دور اور مسلم نوجوان
مصنف	:	ڈاکٹر گوہر مشتاق
ناشر	:	عباس اختر اعوان
		اذان سحر پبلی کیشنز، منصورہ۔ملتان روڈ لاہور
اشاعت چہارم	:	اگست 2013ء (جدید ایڈیشن)
مطبع	:	رانا پرنٹرز، لاہور
قیمت	:	80 روپے

ملنے کے پتے:

- ......ادارہ معارف اسلامی منصورہ ملتان روڈ لاہور۔5432419
- ......ادارہ مطبوعات طلبہ 1اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔7553991
- ......دی بک ڈسٹری بیوٹرز، کراچی، 021-2787137
- ......مسٹر بکس، سپر مارکیٹ، اسلام آباد فون051-2278843,2278845
- ......اسلامی کتاب گھر، خیابان سرسید، راولپنڈی051-4830451
- ......ملک اولڈ بک ڈپو، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......مکتبہ تبلیغ اسلام، الاکرام بلڈنگ راولپنڈی5962137
- ......النور اسلامک بکس۔سنگاپور پلازہ۔صدر۔راولپنڈی5794605
- ......ادارہ تطہیر افکار، جی ٹی روڈ، پشاور۔091-262407
- ......ادارہ پاسبان خبر مرکز۔1سرور روڈ نز دسٹیٹ بینک بلڈنگ ملتان

لَایَکُنْ اَحَدُ کُمْ اِمَّعَۃٌ یَقُوْلُ اَنَا مَعَ النَّاسِ، اِنْ اَحْسَنُوْ اَحْسَنْتُ وَاِنْ اَسَاؤُ اَسَاْتُ وَ لٰکِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَکُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ وَاِنْ اَسَاؤُ اَنْ تَجْتَنِبُوْا اِسَاءَ تَھُمْ.

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، المعجم الکبیر طبرانی، جلد ۹)

"تم میں سے کوئی شخص ہاں میں ہاں ملانے والا نہ بنے اور کہے کہ میں تو لوگوں کے ساتھ ہوں۔اگر وہ نیکی کریں گےتو میں بھی نیکی کروں گااور اگر وہ برائی کریں گےتو میں بھی برائی کروں گا۔نہیں بلکہ اپنے نفس کو نیکی پر جماؤ جب لوگ نیکی کریں،اور جب وہ بُرائی کریں تو تم برائی سے اجتناب کرو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

وَذَاتُ الْفَتَی وَاللہِ بِالْعِلْمِ وَالتُّقٰی
اِذَا لَمْ یَکُوْنَا لَا اِعْتِبَارَ لِذَاتِہٖ

(امام شافعیؒ)

(خدا کی قسم نوجوان کی ذات علم اور تقویٰ سے ہے اور اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو اُس کی شخصیت کا کوئی اعتبار نہیں)۔

فہرست

بھی ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ اُن کی تحریروں میں قدیم اور جدید کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے ۔امریکہ کے تعلیمی اداروں، مساجد اور اسلامی سینٹروں میں اسلام اور سائنس کے موضوعات پر لیکچرز اور جمعہ کے خطبات دیتے رہتے ہیں ۔انگلش اور اردو زبان میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں ۔اُن کی انگریزی کتابوں کی تفصیلات انٹرنیٹ سے حاصل کی جاسکتی ہوں ۔ ڈاکٹر گوہر کی اردو کی کتابوں کی لسٹ درج ذیل ہے:

1......ایک آنکھ والا دجال

2......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3......انسانی دل اور قبولِ اسلام ۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4......معرکۂ روح وبدن

5......پردہ : عقلمند خواتین کا انتخاب

6......دجالی دور اور مسلم نوجوان

7......داڑھی کی اہمیت قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

8......ویلنٹائن ڈے ۔ بُت پرست رومیوں کا تہوار

9......سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر

10......سورۃ یٰسٓ کی تفسیر: کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

11...... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں

12 ...... روزے کے روحانی اور طبی فوائد ۔قرآن، حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

13 ...... ایک آنکھ والے میڈیا کا معاشرتی زہر (زیرِطبع)

14 ...... اللہ کی مدد کیوں نہیں آرہی؟ (زیرِطبع)

15 ...... مسلم نوجوانوں کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ (زیرِطبع)

16 ...... عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں، سبز پرندوں کے دلوں میں (زیرِطبع)

مقدمہ

نوجوان کسی بھی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی سی اہمیت رکھتے ہیں۔اگر نوجوان با کردار اور بامقصد ہوں تو یقیناً ایک پاکیزہ اسلامی معاشرہ وجود میں آئے گا۔جوانی کا دور بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کا دور ہوتا ہے جن کو اگر غلط سمت میں لگا دیا جائے تو معاشرے کا دیوالیہ ہو جاتا ہے۔دجالی دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا نمبر ایک ٹارگٹ نوجوان ہوتے ہیں جنہیں جنسی بے راہ روی اور خالص مادہ پرستانہ (Materialistic) طرز زندگی کا رسیا بنایا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ابو امامہ الباھلی کی روایت کردہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق: وَيَكُونُ حَلِيْمٌ حَيْرَانٌ یعنی حلیم الطبع نوجوان بھی ''کنفیوز'' ہو جاتا ہے۔اِس کتاب کا موضوع دجالی دور میں مسلم نوجوانوں کو درپیش مسائل اور ان کا حل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

مَابَيْنَ خَلَقِ آدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّال .

(صحیح مسلم)

''حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لیکر قیامت تک دجال کے ظہور سے زیادہ بڑا کوئی واقعہ نہیں۔'' (صحیح مسلم)

عربی زبان میں ''دجل'' کے معنی ہیں ''دھوکہ دینا''۔اگر گھر کی پوشیدہ اور دراڑوں (cracks) والی دیوار پر مہنگا وال پیپر (wall-paper) لگا کر کوئی شخص گھر کو فروخت کرے تو یہ چیز ''دجل'' (دھوکہ،فریب) ہے۔

امام مالکؒ کو جب ایک جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس کے متعلق کہا تھا:

هُوَ دَجَّالٌ مِنَ الدَّجاَجِلَه

(وہ دھوکہ بازوں میں سے ایک دھوکہ باز ہے)

امام قرطبیؒ اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں لکھتے ہیں:

''دجل کا معنی ہوتا ہے لکڑی یا کسی اور دھات پر سونے کا پانی چڑھا دینا تاکہ لوگ اس کو سونا سمجھیں۔ چونکہ دجال بھی باطل کو اسی انداز میں پیش کرے گا کہ محسوس ہوگا کہ یہی حق ہے اس لئے اس کو دجال کہتے ہیں۔''

بس یہی خاصیت دجالی نظام کی بھی ہے۔ دجالی دور میں مسلم نوجوانوں کو میڈیا اور الیکٹرونکس پر باطل اِس خوبصورتی سے پیش کیا جاتا ہے کہ ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی اکثریت اس سے دھوکہ کھا جاتی ہے اور اپنا ایمان، قیمتی وقت، شرم و حیا، عزت سب کچھ آہستہ آہستہ کھو بیٹھتی ہے۔

جس طرح ایک بادشاہ کی آمد کی خبر پہلے اس کے ہرکارے اور ایجنٹ دیتے ہیں اسی طرح اس دنیا میں عنقریب ایک کانے دجال کی آمد کا غلغلہ آج اس کے ایجنٹ برپا کر رہے ہیں۔ آج دجالی دور کے سب سے بڑے ادارے یعنی اقوام متحدہ (UNO) کا مقصد پوری دنیا پر "New Secular World Order" یعنی ''دنیا کے لیئے نیا سیکولر نظام'' نافذ کرنا ہے۔ یہی دجالی نظام ہے، جس کی 100 فیصد تکمیل دجال کے ظہور کے بعد ہوگی۔ آج ہمارے نوجوان اس دجالی دور کے سائے میں جی رہے ہیں۔ جہاں پر برائی عام ہے اور مسلمانوں کا خاندانی نظام خطرے میں ہے۔ آج اگر برائی اور گناہ کے تمام اسباب فراہم کرنے کے بعد بھی والدین یہ توقع رکھیں کہ ان کے بچے معصوم رہیں گے، انٹرنیٹ کی

تاریک گلیوں میں آوارہ پھرتے پھرتے اپنے قلب ونظر کو تباہ نہیں کر بیٹھیں گے، معاشقوں (affairs) کا شکار نہیں ہوں گے، منشیات کے استعمال سے بچے رہیں گے تو ایسے حالات میں اچھے نتائج کی توقع رکھنا عقل مندی نہیں، حماقت ہے۔اِس کتاب میں دجالی دور میں مسلم نوجوانوں کو درپیش مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

جب دنیا کا مشاہدہ ایک آنکھ سے کیا جاتا ہے تو وہ بہت سطحی (superficial) ہوتا ہے۔ایک آنکھ والے دجالی نظام میں نوجوانوں کو ہر چیز کے صرف سطحی اور روشن پہلو ہی دکھائے جاتے ہیں۔دجالی نظام میں نوجوانوں کو اپنی توجہ کا مرکز جسم بتایا جاتا ہے۔ ہر چیز نگاہوں کو لذت دینے والی دکھائی جاتی ہے۔جہاں روح کی تسکین کا سامان کہیں نظر نہیں آتا۔اِس کتاب کو لکھنے کا مقصد نوجوانوں اور اُن کے والدین کے سامنے دجالی میڈیا اور دجالی نظام کا اصل چہرہ بے نقاب کرنا ہے تا کہ وہ اُس کے جال میں نہ پھنس سکیں۔

وماتوفیقی الا باللہ

ڈاکٹر گوہر مشتاق

کیلیفورنیا

مسلم نوجوانوں کو نصیحت

خیابانیوں سے ہے پرہیز لازم
ادائیں ہیں اُن کی بہت دلبرانہ!
ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
جواں مرد کی ضربتِ غازیانہ!
حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں
کہ ہے زندگی باز کی زاھدانہ!
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ!
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ!

(اقبالؒ ۔ بالِ جبریل)

باب 1

نوجوان : قرآن اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے میں

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ نوجوان ہی کسی معاشرے کی گمراہ روایات کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں اور دعوت حق کی پکار پر لبیک کہتے ہیں ۔نوجوانوں کے خون میں حرارت اور حمیت وغیرت فطرتاً زیادہ ہوتی ہے۔وہ مخالفتوں سے بہت کم مرعوب ہوتے ہیں اور مصلحتوں کی بہت کم پرواہ کرتے ہیں۔نوجوان جب کسی بات کا حق ہونا محسوس کرلیتے ہیں تو انہیں اِس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اِس کے قبول کرلینے کے بعد انہیں کیسی کیسی جسمانی اور ذہنی تکالیف اٹھانی پڑیں گی۔

قرآن میں بیان کیے گئے نوجوان

قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بتایا گیا ہے کہ جب انہوں نے بتوں کو پاش پاش کردیا تو شہر کے لوگوں نے میلے سے واپس آکر آپس میں کہا:

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ﴿﴾

(سورہ الانبیاء ٦٠)

ترجمہ:(بعض لوگ)بولے:''ہم نے ایک نوجوان کو اُن (بتوں کے خلاف) کا ذکر

کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیم (علیہ السلام) ہے۔''

جب ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے بچ نکل کر اپنے ملک سے ہجرت کی تو آپ علیہ السلام کے ساتھ صرف آپ کی بیوی سارہ علیہا السلام اور نوجوان بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام تھے۔اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا خواب دیکھا تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام بالکل نوجوان تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّيْ أَرَى فِيْ الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى ﴿ (سورہ الصافات: ۱۰۲)

''وہ لڑکا جب اس (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم علیہ السلام نے اس سے کہا: ''بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے؟''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن نے تصریح کی ہے کہ ان کی دعوت پر سب سے پہلے ان کی قوم کے کچھ نوجوان ایمان لائے:

فَمَا آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِ ﴿ (سورہ یونس: ۸۳)

ترجمہ: (موسیٰ علیہ السلام کو اس کی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا۔)

انہی نوجوانوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص حضرت یوشع بن نون بھی شامل تھے جنہوں نے ایک کافر قوم (قوم عمالقہ) سے جہاد کے دوران سورج سے خطاب کرتے ہوئے (جو کہ غروب ہونے والا تھا) کہا:

اِنَّکِ مَاْمُوْرَةٌ وَاَنَا مَاْمُوْرٌ. اَللّٰهُمَّ احْسِبْهَا عَلَيْنَا، فَحُسِبَتْ

حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ. (صحیح البخاری)

"(اے سورج) تو بھی اللہ کی طرف سے مامور (مقرر کردہ) ہے اور میں بھی مامور ہوں یعنی میں بھی اپنا فرض انجام دے رہا ہوں۔ اے اللہ! اِس سورج کو ہم پر سے روک لے (یعنی لڑائی اور اس کا نتیجہ برآمد ہونے تک اسے غروب نہ فرما) چنانچہ سورج کو روک لیا گیا، یہاں تک کہ اللہ نے اُس بستی کو اُن کے ہاتھوں فتح کردیا۔"

اسی واقعے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث میں فرمایا تھا:

اِنَّ الشمس لم تحبس لِبَشَرٍ اِلا لِيُوشَع ليالي سار اِلى بيتِ المقدس (مسند احمد)

"بے شک سورج غروب ہونے سے کسی انسان کی وجہ سے نہیں رُکا سوائے یوشع بن نون کے جب وہ جہاد کرنے کے لئے یروشلم کی طرف اپنی فوجوں کے ساتھ مارچ کررہے تھے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ وہ نوجوان تھے جب وہ عزیزِ مصر کی بیوی کے جال میں نہ پھنسے:

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَةُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَّفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرَاهَا فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ﴿(سورہ یوسف، آیت ۳۰)

اسی طرح حضرت مریمؑ بھی نوجوان تھیں اور جب اُن کے خالو حضرت ذکریاؑ (جو اُن کی دیکھ بھال پر مامور تھے) اُن سے ملنے آتے تو وہاں طرح طرح کے پھل دیکھتے:

قَالَ يَا مَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ

يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (آل عمران:۳۷)

''ذکریا پوچھتا مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ تو وہ جواب دیتی کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے، اللہ جسے چاہتا ہے بےحساب رزق دیتا ہے۔''

اصحاب کہف کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ نوجوان تھے جو شرک بادشاہ سے چھٹکارا چاہتے تھے:

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴾ (سورہ الکھف: ۱۰)

''جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزین ہوئے اور انہوں نے کہا کہ'' اے پروردگار ہم کو اپنی رحمتِ خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کردے۔''

قرآن میں سورہ البروج آیت ۴ میں اصحاب الاخدود (گڑھے میں آگ جلا کر پھینکے جانے والے مومنین) کا جو ذکر ہے اُس کا مرکزی کردار بھی ایک نوجوان تھا جیسا کہ متعدد احادیث میں بیان ہوا ہے کہ بادشاہ کے جادوگر نے ایک نوجوان لڑکے کو جادو کی تعلیم کے لیے چنا۔ گھر سے محل تک کے راستے میں وہ نوجوان ایک راہب سے توحید خداوندی کی تعلیم بھی حاصل کرنے لگا اور بزرگ کی تربیت سے صاحب کرامت ہوگیا اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو درست کرنے لگا۔ اس وقت بزرگ راہب نے اُس نوجوان سے کہا:

أَيْ بُنَيَّ أَنْتَ الْيَوْمَ أَفْضَلُ مِنِّي، قَدْ بَلَغَ مِنْ أَمْرِكَ مَا أَرَى، وَإِنَّكَ سَتُبْتَلَى. (صحیح مسلم)

''بیٹے! آج تم مجھ سے افضل ہو، تمہارے (علم وتقویٰ کا) معاملہ جہاں تک پہنچ گیا ہے، میں وہ دیکھ رہا ہوں اور عنقریب تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔''

بادشاہ نے نوجوان کو قتل کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔بالآخرلڑکے ہی کے کہنے پر کافر بادشاہ نے **بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلامِ** (اللہ کے نام پر جو اِس نوجوان کا رب ہے) پڑھ کرلڑکے پر تیر چلایا اور اُسے قتل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔لوگوں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو انہیں الہٰ واحد کی توحید سمجھ آ گئی اور وہ پکار اُٹھے:**اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلامِ** "ہم اُس نوجوان کے رب پر ایمان لائے"۔(صحیح مسلم) تب بادشاہ نے آگ بگولا ہو کر اُن مومنین مردوں اور عورتوں کو آگ کے گڑھوں میں پھینکوا دیا جس کا ذکر قرآن میں سورہ البروج آیت ۴ میں **اَصحٰبُ الاُخدُود** (گڑھے میں آگ جلا کر پھینکے جانے والے مومنین) کے حوالے سے آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں میں نوجوان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ایک بھی صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے زیادہ کا نہیں تھا۔جن لوگوں نے مکہ کے آزمائشی دور میں آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کیا اُن میں سن رسیدہ لوگ نہیں بلکہ باہمت نوجوان شامل تھے۔چنانچہ انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں:

قدم النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وليس في أصحابه أشمط غير أبي بكرٍ ، فغلفها بالحنَّاء و الكتم (صحيح البخاري)

"جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو اُن میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کے سر کے بال سفید ہوں سوائے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے جنہوں نے اپنی داڑھی کو مہندی اور زعفران سے رنگا ہوا تھا۔"(صحیح بخاری)

اسی طرح دوسری سند سے انس بن مالکؓ ہی روایت کرتے ہیں:

قـدم النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلـم المدينة ، فكان اَسَنَّ اَصحابه اَبو بكرٍ ، فغلفها بالحنّاء والكتم حتّى قنأ لونها

(صحیح بخاری کتاب ۔مناقب الانصار۔حدیث 3920)

''جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ میں سب سے بڑی عمر کے صحابی حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔وہ اپنی داڑھی کو مہندی اور زعفران سے رنگا کرتے تھے حتیٰ کہ اُن کے بال گاڑھے سرخ رنگ کے ہوجاتے تھے۔''

ٹیبل: نامور صحابہ کرامؓ اور ان کی عمریں جنھوں نے مکی دور میں بالکل ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔

صحابیؓ کا نام	اسلام قبول کرتے وقت اُن کی عمر
علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، جعفر بن ابی طالب، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام، مصعب بن عمیر، اسماء بنت ابوبکر	20 سال سے کم عمر میں
بلال بن رباح، عبدالرحمٰن بن عوف، زید ابن حارثہ، صہیب الرومی	20 سے 30 سال کے درمیان عمر میں
اسماء بنت عمیس، فاطمہ بنت خطاب	30 سال کے لگ بھگ عمر میں
عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، لبابہ بنت الحارث (اُم الفضل)، اُم سلمہ (اُم المومنین)	30 سے 35 سال کے درمیان عمر میں
ابوبکر الصدیق	38 برس کی عمر

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت آنے کے ۱۳ سال بعد بھی مکہ سے ہجرت کر کے آنے والوں میں صرف حضرت ابوبکرؓ کے سر کے بال سفید ہوئے تھے۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت آئی تو اُس وقت مکہ میں علیؓ بن ابی طالب، عبداللہؓ بن مسعود، جعفر طیارؓ، طلحہؓ بن عبیداللہ، زبیرؓ بن عوام، مصعبؓ بن عمیر وغیرہ کی عمریں ۲۰ سال سے کم تھیں۔ اسی طرح بلالؓ حبشی، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور صہیبؓ رومی کی عمریں ۲۰ اور ۳۰ سال کے درمیان تھیں۔ عمر فاروقؓ، عثمانؓ بن عفان اور زیدؓ بن الحارثہ ۳۰ اور ۳۵ سال کے درمیانی عمر کے تھے اور ابوبکر صدیقؓ ۳۸ سال کے تھے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہنے والوں میں تقریباً سبھی نوجوان تھے۔

مزید برآں، جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو اسلامی ریاست کی بنیاد قائم کرنے کے لیے مدینہ منورۃ کا شہر، طائف یا مکہ کے مقابلے میں بہت زیادہ زرخیز ثابت ہوا۔ اُس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مکہ اور طائف کے بوڑھے کفار سردار ابھی زندہ تھے جو اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے تھے اور اسلام پھیلانے کے راستے میں رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ اِس کے برعکس مدینہ میں معاملہ بالکل مختلف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے 5 برس پہلے مدینہ کے دو بڑے قبیلوں یعنی اوس اور خزرج میں بعاث کی جنگ ہوئی تھی جس میں دونوں قبیلوں کے بڑے سردار اور بڑی عمر کے قائدین قتل ہو چکے تھے۔ یہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے پہلے خدائی مدد تھی۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں اُم المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

كَانَ يَوْمُ بُعَاثٍ يَوْمًا قَدَّمَهُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ ، فَقَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَ قَدِ افْتَرَقَ مَلَؤُهُمْ وَقُتِّلَتْ سَرَوَاتُهُمْ وَجُرِّحُوْا ، قَدَّمَهُ اللّٰهُ

لِرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دُخُوْلِهِمْ فِي الْاِسْلَامِ ۔
(صحیح بخاری، باب مناقب الانصار۔3584)

"جنگِ بعاث کا دن اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فائدے کے لیے لایا تھا۔ چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر کے آئے تو مدینہ کے قبائل پہلے سے تقسیم ہوئے تھے اور اُن کے سردار قتل ہو چکے تھے یا شدید زخمی ہو چکے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اِس جنگ میں بہت بڑی بھلائی پوشیدہ تھی تا کہ انصار اسلام قبول کرلیں۔"

نتیجتاً اب مدینہ کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی جو تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے اور اسلام کے پیغام کو قبول کرنے میں انھیں کوئی جھجک نہیں تھی۔ اُن ہی مدینہ کے نوجوانوں میں سے ایک حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری تھے۔ اُن کی عمر 6 برس تھی جب اُن کے والد جنگِ بعاث میں مارے گئے۔ جب آپ کی عمر 13 برس ہوئی تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ بدر میں شرکت کرنے کی اجازت مانگی مگر آپ کو اجازت نہ ملی کیونکہ آپ کی عمر 15 برس سے کم تھی۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے اپنی تمام توجہ اُس وقت قرآن کو سیکھنے میں لگا دی۔ یقیناً آپ نے بعد کی غزوات میں شرکت بھی کی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان صحابی زیدؓ بن ثابت کو کاتبِ وحی کی ذمہ داری سونپی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو زید بن ثابت کی عمر 23 برس تھی۔ اُس وقت خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قرآن کو جمع کرنے کی ذمہ داری کے لیے اِس نوجوان کا انتخاب کیا۔ حدیث میں آتا ہے:

قَالَ اَبُو بَكْرٍ وَ عِنْدَهٗ عُمَر بن الخطاب لِزَيْد بن ثابت رضى الله عنهم: اِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَ قَدْ كُنْتَ

تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَتَتَبَّعْ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ

(بخاری۔کتاب الاحکام،حدیث 6768)

"ابو بکرؓ نے زیدؓ بن ثابت سے حضرت عمرؓ بن خطاب کی موجودگی میں فرمایا: تم ایک عقلمند نوجوان ہو اور ہم نے تمہارے کردار پر کبھی شک نہیں کیا اور تم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی تھے۔اس لیے تم قرآن کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب (مصحف) کی صورت میں مرتب کرو۔"

عبداللہ بن مسعودؓ جنھوں نے عین نوجوانی میں اسلام قبول کیا تھا وہ ایک حدیث میں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے جاں نثاروں کے متعلق بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نَغْزُوْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَابٌ

(مسند احمد)

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرتے تھے اور اُس وقت ہم نوجوان تھے۔"

[امام احمد نے یہ حدیث (جلد ا،نمبر 390,432) اپنی مُسند میں امام بخاری اور مسلم کے معیار پر روایت کی ہے،اس لیے یہ حدیث صحیح ہے]

اِس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن اور امت مسلمہ کے فرعون یعنی ابو جہل کو غزوہ بدر میں قتل کرنے والے دو بھائی معاذ اور معوذ تھے اور وہ دونوں ہی نوجوان (teenagers) تھے۔حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اُن کے بارے میں فرماتے ہیں: غزوہ بدر کے دن جب میں مجاہدین کی صف میں کھڑا تھا، میں نے اپنے دائیں بائیں دو کم سن انصاری لڑکے دیکھے۔ اتنے میں ایک نے آہستہ سے

مجھ سے کہا: یَا عَمُّ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ ؟(چچا جان! آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟) میں نے جواب دیا: ہاں لیکن تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اُس نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ گستاخ رسول ہے، خدا عزوجل کی قسم! اگر میں اُس کو دیکھ لوں تو اُس پر ٹوٹ پڑوں گا، یا تو اُس کو مار ڈالوں یا خود مر جاؤں۔ دوسرے لڑکے نے بھی مجھ سے اسی طرح کی گفتگو کی۔

ایک اردو شاعر ان دونوں نوعمر لڑکوں کے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے کہتا ہے:

قسم کھائی ہے مرجائیں گے یا ماریں گے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے یہ محبوبؐ باری کو

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں: اچانک میں نے دیکھا کہ ابوجہل اپنے سپاہیوں کے درمیان کھڑا نظر آیا۔ میں نے اُن لڑکوں کو ابوجہل کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ تلواریں لہراتے ہوئے اُس پر ٹوٹ پڑے اور پے در پے وار کر کے اُسے پچھاڑ دیا۔ پھر دونوں اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ابوجہل کو ٹھکانے لگا دیا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "تم میں سے کس نے اُسے قتل کیا ہے؟" دونوں ہی کہنے لگے؟ میں نے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم نے اپنی خون آلودہ تلواریں صاف کر لی ہیں؟" دونوں نے عرض کی: "جی نہیں" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن تلواروں کو ملاحظہ کر کے فرمایا: " کلاکما قتلہ یعنی تم دونوں نے اُسے قتل کیا ہے"۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی حدیث: 3988)

اِن دونوں بھائیوں کی عمریں 17 برس سے کم تھیں یعنی یہ دونوں "Teenagers" تھے اور یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے بلند مقام پر تھے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف عشق کا دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اُس کا عملی ثبوت بھی پیش کر دیا۔

انس بن مالک ؓ بھی مدینہ کے ایک نوجوان تھے ۔ایک حدیث میں حضرت انس ؓ، مسجدِ نبوی میں رہنے والے 70 قراء (اصحاب الصفہ) نوجوانوں کی زندگی کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچتے ہیں:

كان شباب من الانصار سبعين رجلاً يقال لهم القراء يكونون في المسجد فإذا أمسوا انتحوا ناحية من المدينة فيتدارسون و يصلون يحسبهم أهلوهم في المسجد و يحسبهم أهل المسجد في أهليهم حتىٰ إذا كان في وجه الصبح استعذبوا من الماء. واحتطبوا من الحطب فجاؤا به فأسندوه إلى حجرة النبي صلى الله عليه وسلم (مسند احمد)

''انصارِ مدینہ کے نوجوانوں میں سے وہ 70 قُرّاء (قاری کی جمع) تھے۔ جب شام پڑتی تو یہ مدینہ کی ایک جگہ جمع ہوکر علم حاصل کرتے اور عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ جس وقت اُس جگہ جمع ہوئے ہوتے تھے تو اُن کے گھروں والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ مسجد میں ہیں جبکہ مسجد والے یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اپنے گھروں میں اپنی فیملی کے ساتھ ہیں۔ جب صبح کی روشنی نمودار ہوتی تو یہ لوگ جنگل سے لکڑی اور پانی لاتے اور رسول اللہ کے حجرے کی طرف لے جاتے۔'' (مسند احمد)

(اس حدیث کو مسند احمد (3/235) کے علاوہ امام بیہقی نے السنن الکبری (2/199) میں بیان کیا ہے۔ مسند احمد کے محققین کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔)

اسی طرح مالک بن حویرث ؓ اپنے قبیلے کے نوجوانوں کے ساتھ مدینہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں چند روز رہ کر اسلام سیکھا۔ وہ روایت کرتے ہیں:

''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ہم سب ہم عمر اور نوجوان ہی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں ہمارا بیس دن و رات قیام رہا۔ آپ بڑے ہی رحم دل اور ملنسار تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ہمیں اپنے وطن واپس جانے کا شوق ہے تو آپؐ نے پوچھا کہ تم لوگ اپنے گھر کس کو چھوڑ کر آئے ہو۔ ہم نے بتایا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اچھا اب تم اپنے گھر جاؤ اور اُن گھر والوں کے ساتھ رہو اور انہیں بھی دین سکھاؤ اور دین کی باتوں پر عمل کرنے کا حکم کرو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح نماز پڑھنا جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور جب نماز کا وقت آجائے تو کوئی ایک اذان دے اور جو تم میں سب سے بڑا ہو وہ نماز پڑھائے۔''

(بخاری، کتاب الاذان، حدیث: 631۔ مسلم، کتاب المسجد والمواضع الصلوٰۃ، حدیث 674)

بے شک بڑی عمر کے صحابہ کرامؓ نے بھی اسلام پھیلانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ان بزرگ صحابہ کرامؓ نے نوجوان صحابہ کرام ؓ کو اسلام پھیلانے کے مشن میں راہنمائی اور مدد مہیا کی اور بزرگ صحابہ کی قربانیوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آج کا نوجوان کل کو بزرگوں کی جگہ لے گا۔ بہر حال یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رسول کریم ﷺ کی برپا کی گئی تحریک کے اولین علمبرداروں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو اعلیٰ درجے کے مذہبی و قومی منصب پر مامور ہو۔ یہ نوجوان حضرات اغراض کے بوجھ تلے دبے ہوئے نہ تھے۔ ہمیشہ ایسے ہی آزاد فطرت نوجوان تاریخ میں بڑی بڑی تبدیلیاں پیدا کرنے کے لئے اگلی صفوں میں آیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قریش کے سرداروں کی ظاہر بین نگاہیں رسول اللہ ﷺ کی چلائی ہوئی تحریک کو شروع شروع میں یہ سمجھتی رہیں کہ یہ چیز نوجوانوں کا سر پھرا پن ہے، چار دن میں دماغوں سے ہوا نکل جائے گی، آخر ہمارے سامنے کون دم مار سکتا

ہے؟ نبوت آنے کے بعد رسول کریم ﷺ نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے تمام خاندان عبدالمطلب کو کھانے پر بلایا۔ اِس مجلس ضیافت میں حمزہ، ابو طالب اور عباس جیسے اہم لوگ بھی شریک تھے۔ کھانے کے بعد آپ ﷺ نے مختصر سی تقریر کی اور فرمایا کہ میں جس پیغام کو لیکر آیا ہوں، یہ دین اور دنیا دونوں کا کفیل ہے۔ کون اِس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے؟

آنحضرت ﷺ کا سوال سن کر تمام مجمعے پر سکوت طاری ہوگیا۔ پھر اُس سکوت میں تیرہ برس کا نوجوان اٹھا اور اُس نے کہا: ”اگر چہ میں آشوب چشم میں مبتلا ہوں، اگر چہ میری ٹانگیں پتلی ہیں، اگر چہ میں کم عمر نوجوان ہوں لیکن میں اِس مہم میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔“

یہ حضرت علیؓ بن ابی طالب تھے جو بعد میں مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد بنے۔ یہ منظر دیکھ کر حاضرین نے زور سے قہقہہ لگایا، اس قہقہے کے ذریعے خاندان عبدالمطلب کے بڑے بوڑھے یہ کہہ رہے تھے کہ یہ دعوت دینے والے محمد ﷺ اور یہ اِس دعوت پر لبیک کہنے والے نوجوان (علیؓ) کون سا کارنامہ انجام دے لیں گے۔ لیکن اِن قریش کے بوڑھوں کے اندازے غلط ثابت ہوئے اور رسول کریم ﷺ کا ساتھ دینے والے نوجوانوں نے آنے والے دنوں میں دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے نوجوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں

(اقبالؒ)

باب 2

انسانی زندگی کے مختلف مراحل

اسلامی علماء نے انسانی زندگی کو چار بڑے مراحل میں تقسیم کیا ہے گو کہ ہر مرحلے (Stage) کو مزید چھوٹے ادوار (Sub-stages) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ﴿ (سورہ النحل: ۷۰)

(اور دیکھو اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر وہ تم کو موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی بدترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔)

عصر حاضر کے عرب مفسر قرآن شیخ ابو بکر محمود گی اِس آیت کی تفسیر میں قمطراز ہیں:

''بعض مسلم علماء نے بیان کیا ہے کہ پیدائش کے بعد آدمی کی زندگی کو چار مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پہلا دور پیدائش سے شروع ہو کر ۳۳ سال کی عمر تک محیط ہوتا ہے۔یہ بچپن سے نوجوانی تک کا دور ہوتا ہے جس میں انسان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں دن بدن بڑھتی ہیں۔دوسرا دور ۳۳ سال سے ۴۰ سال تک پھیلا ہوتا ہے۔یہ جوانی کا دور ہوتا ہے جس میں انسان کی صلاحیتیں آہستہ آہستہ مزید بڑھ کر کمال تک پہنچ جاتی ہیں۔تیسرا مرحلہ

"کہولہ" یعنی اُدھیڑ عمر کہلاتا ہے جو ۴۰ سے ۶۰ سال تک محیط ہوتا ہے اور جس میں انسان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونا شروع ہوتی ہیں۔ آخری مرحلہ ۶۰ سال سے موت تک پھیلا ہوتا ہے جسے بڑھاپا اور پیرانہ سالی کا دور کہتے ہیں جس میں انسان کے جسم میں ضعف بڑی تیزی سے طاری ہوتا ہے۔"

(رد الاذھان الٰی معانی القرآن، مطبوعہ بیروت، مکتبہ دارالعربیہ ۱۹۸۲ء)

جوانی کے دور کی اہمیت

قرآن وحدیث میں جوانی کے دور کو خاص اہمیت دی گئی ہے کیونکہ اِس دور میں انسان کی صلاحیتیں عروج پر ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے شیطان کے بہکاوے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ قرآن میں سورہ الروم (آیت ۵۴) میں جوانی کے دور کو قوت کا دور کہا گیا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کردہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مال و دولت کو غربت سے پہلے، فارغ وقت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔" (مستدرک الحاکم۔ امام حاکم نے اِس حدیث کو بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے)۔

ایک دوسری حدیث کے مطابق قیامت والے دن جوانی کے متعلق خصوصی سوال ہوگا:

"قیامت کے دن بندے کے دنوں پاؤں اُس وقت تک اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکیں گے جب تک وہ چار سوالات کا جواب اللہ کو نہ دے لے۔

۱۔ زندگی کے متعلق اور اُس نے زندگی کیسے بسر کی۔

۲۔ جوانی کے متعلق اور اُس نے جوانی کس طرح استعمال کی۔

۳۔ اپنے دینی علم پر کتنا عمل کیا۔

۴۔ دولت کیسے کمائی اور کیسے خرچ کی (یعنی حرام طریقے سے یا حلال طریقے سے)۔

(جامع ترمذی، شیخ البانی نے صحیح ترغیب وترہیب میں اِس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ۱/۱۲۶)

ایک اور حدیث جس میں نوجوانی کے دور کا بالخصوص تذکرہ ہوا ہے وہ ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث ہے:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ ......وَ شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

اِس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات قسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا جو قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے جس دن اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اُن میں سے ایک وہ نوجوان لڑکا یا لڑکی ہوگا جو اللہ کی عبادت اور مذہب سے لگاؤ کے ساتھ پروان چڑھا ہوگا۔

نوجوانی کا دور انسان کی زندگی میں نہایت اہم موڑ ہوتا ہے۔ نوجوانی کے دور سے متعلق کی جانے والی سائنسی تحقیقات کے ماہر امریکی محقق جوزف چلٹن پیئرس (Joseph Chilton Pearce) اپنی کتاب The Evolution's End (مطبوعہ امریکہ ۱۹۹۲ء) میں لکھتے ہیں:

''پہلے تقریباً گیارہ برس کی عمر کے لگ بھگ نوجوانوں (Teenagers) میں زندگی کا ایک آئیڈیل قسم کا تصور پیدا ہونا شروع ہوتا ہے۔ پھر ۱۴ یا ۱۵ برس کی عمر میں اُن میں ایک امید پیدا ہوتی ہے کہ کوئی نہایت اہم بات وقوع پذیر ہوگی۔ پھر بلوغت کے دور میں داخل ہوتے ہی نوجوانوں کو اپنے اندر ایک منفرد قسم کا عظمت کا احساس ہونا شروع ہوتا ہے جس کا وہ اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ اِس دور میں اکثر نوجوان اپنے دل کی

طرف رجوع کرتے ہیں۔"

Pearce, Joseph C. (1992). *Evolution's End*. New York

روڈالف سٹائنر کالج (Rudolf Steiner College) کی معلمہ پروفیسر بیٹی سٹیلے (Betty Staley) نوجوانوں کے متعلق اپنی کتاب Between Form and Freedom (مطبوعہ برطانیہ ۱۹۸۸ء) میں بیان کرتی ہیں:

"نوجوانوں میں خود بخود ایک مقدس آئیڈیل ازم کا تصور کروٹ لیتا ہے جو انہیں کسی ایسی ہستی (Model) کی تلاش پر مجبور کرتا ہے جس کے نقش قدم پر وہ چل سکیں اور اپنے اندر عظمت کے پوشیدہ احساس کا اظہار کر سکیں۔"

شاید اسی بات کی طرف علامہ اقبالؒ نے اپنے شعر میں اشارہ کیا تھا۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے نو جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں

نوجوانی کی عمر میں نوجوان اپنی زندگی کا مقصد (Meaning in Life) تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جوزف چلٹس کے الفاظ میں وہ اپنے دل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان ممالک میں مسلم والدین نے ۱۹۶۰ء کے عشروں میں اپنے بچوں کی مادی ترقی اور صرف دنیاوی تعلیم کی طرف توجہ مرکوز کی تو اُسی دور میں مغرب میں غیر مسلموں کے بہترین دماغوں نے تدبیرِ الٰہی سے اسلام قبول کیا اور آج مغربی ممالک میں وہی لوگ دعوت و تبلیغ کے کاموں میں اولین صفوں میں نظر آتے ہیں مثلاً مریم جمیلہ جنہوں نے ۱۹۶۲ء میں اسلام قبول کیا اور وہ اُس وقت Teenager تھیں۔ ڈاکٹر بلال فلپس نے ۱۹۷۱ء میں اسلام قبول کیا، عبدالحکیم مراد جنہوں نے ۱۹۷۶ء میں اسلام قبول کیا، امام حمزہ یوسف ہینسن، یوسف اسلام (Cat Stevens) اور امام زید شاکر جنہوں نے

۱۹۷۷ء میں قبول اسلام کیا، اُن سب کی عمریں اس وقت ۱۷ سے ۲۱ کے درمیان تھیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب ''انسانی دل اور قبول اسلام ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ'' مطبوعہ لاہور، اذانِ سحر پبلشرز ۲۰۰۷ء)۔

انسانی شخصیت پر ماحول کے اثرات

عصر حاضر کے نامور عرب مسلم سوشیالوجسٹ ملک بن نبی اپنی کتاب ''میلادِ مجتمع'' (مطبوعہ مصر، 1962ء) میں اِس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معاشرہ صرف خام افراد کا مجموعہ نہیں ہوتا بلکہ افراد کی ذہنی ساخت کی تعمیر (Conditioning) معاشرہ ہی کرتا ہے۔ انسان کو قدرت نے خام قسم کی فطرت عطا کی ہوتی ہے۔ پھر معاشرہ اس انسان کا ذہنی سانچہ تیار کرتا ہے۔ اِس بات کی تائید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ. (صحيح بخاري: كتاب الجنائز عن ابي هريرةؓ.

صحيح مسلم: كتاب القدر، موطا امام مالك عن ابي هريرةؓ)

''ہر بچہ فطرت (inherent nature) پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

مزید برآں، مالک بن نبی اپنی کتاب "On the origins of Human Society" (مطبوعہ ملائیشیا، اوپن پریس، 1998ء) میں آج کے مسلمانوں کی حالت زار پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"We are Muslims only by birth certificates"
(آج ہم صرف اس لئے مسلمان ہیں کہ ہمارے برتھ سرٹیفکیٹ پر یہ لکھا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔)

جب ہمارے نوجوان صرف نام کے مسلمان ہوں گے اور شعوری مسلمان نہیں ہونگے تو برے ماحول کے اثرات وہ بہت تیزی سے قبول کریں گے۔اس سلسلے میں مالک بن نبی اپنی کتاب "On the origins of Human Society" میں نماز جمعہ کی مثال دیتے ہیں۔ مالک بن نبی اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان لوگ جمعہ کی نماز کی لئے مسجد میں موجود ہوتے ہیں اور امام مسجد کا خطبہ سن رہے ہوتے ہیں تو اسلامی تعلیمات کو سن کر اُن مسلمانوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو امام مسجد خود بھی جذباتی کیفیت کی وجہ سے خطبہ جاری نہیں رکھ سکتا۔لیکن جب جمعہ کی نماز ختم ہوتی ہے اور وہی لوگ مسجد سے باہر نکل کر دنیاوی معاملات (worldy affairs) کی طرف واپس لوٹتے ہیں تو اُس اسلامی حقیقت کو جس نے کچھ دیر پہلے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا مسجد میں ہی چھوڑ کر آجاتے ہیں۔ مالک بن نبی کے الفاظ میں:

> ''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کے روحانی اور معاشرتی پہلوؤں کے درمیان ایک طرح کا دوغلا پن (state of dichotomy) پیدا ہو گیا ہے۔اُس کی شخصیت کا ایک گوشہ اُس کی مسجد سے باہر کی زندگی کا ڈھنگ ترتیب دیتا ہے اور دوسرا گوشہ اُس کی مسجد کے اندر کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔اُس کی حالت سکاٹ لینڈ کے حمام (Scottish Shower) والی ہوتی ہے جس میں پہلے پہل وہ بہت ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہیں اور اسکے فوراً بعد گرم پانی اپنے جسم پر بہانا شروع کر دیتے ہیں۔''

جب ایک مسلمان مسجد میں جاتا ہے تو اس کے دل اور روح کو تقویت ملتی ہے لیکن جونہی وہ مسلمان مسجد سے باہر دجالی ماحول اور دجالی میڈیا کی زد میں آتا ہے تو اُس کے روح کی بے چینی اور دل کی بے سکونی پھر سے اُس پر حملہ آور ہو جاتی ہے۔

نوجوانوں پر ماحول کے اثرات

انسان کے اردگرد کا ماحول سب سے پہلے والدین بناتے ہیں ۔اسکے بعد دوست احباب (Peers) اسکی ذہنی ساخت بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اکثر اوقات نوجوانوں پر صحبت (Company) کے اثرات والدین سے بھی زیادہ گہرے ہوتے ہیں۔ امریکی خاتون مفکر جوڈیتھ رچ حارث (Judith Rich Harris) نے تو اپنی کتاب (The Nurture Assumption) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نوجوانوں کی شخصیت بنانے میں سب سے اہم کردار والدین نہیں بلکہ نوجوانوں کے دوست احباب کا ہوتا ہے۔

اسی حوالے سے سویڈن کے سٹاک ہولم انسٹی ٹیوٹ "Stockholm Institute" کے ماہر نفسیات (Psychiatrist) اور محقق نل بجروٹ (Nil Bejerot) نے نیویارک ٹائمز کو ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ نوجوانوں میں بری عادات مثلاً شراب نوشی اور منشیات کا استعمال وغیرہ میں سب سے اہم کردار دوستوں یاروں کی صحبت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر بجروٹ نے دعویٰ کیا کہ نوجوانوں میں بری عادات کا لگنا (Addiction) کی مثال چیچک کی طرح ہے۔ دونوں ہی چھوت کی بیماریاں (contagious diseases) ہیں لیکن چیچک تو وائرس سے پھیلتی ہے جبکہ بری عادات لگنے کی بیماری بری مثال (bad example) اور بری صحبت (bad company) سے پھیلتی ہے۔ ڈاکٹر بجروٹ (Dr. Bejerat) نے یہ مشورہ دیا گیا کہ برائیوں میں ملوث نوجوانوں کو ایسے دیہاتوں میں کچھ عرصے کے لئے مقید کرنا چاہیے جو بری صحبتوں

اور منشیات سے پاک ہوں۔

(Interview with the New York Times published by *The Time Magazine*, May 22, 1972 issue)

آپ اندازہ لگائیں کہ ڈاکٹر نیل بیجرٹ (Dr. Nil Bejerat) جیسا چوٹی کا ماہر نفسیات آج اُسی نتیجے پر پہنچا ہے جس کے متعلق کئی سو سال پہلے حدیث میں بیان ہوا تھا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے جب سو قتل کر ڈالے تو اُسے ایک عالم اسلام نے یہ مشورہ دیا کہ وہ دور ایک صالحین کی بستی میں ہجرت کر جائے تا کہ وہ اپنی اصلاح کر سکے اور اپنی توبہ پر قائم رہ سکے۔ آج کے دجالی دور میں صالحین کی صحبت انسان کے لئے اتنی اہم ہے کہ سورۃ الکھف میں مسلم نوجوانوں بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیک لوگوں کی معیت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (آیت نمبر:28)

باب 3

دجالی دور میں نوجوانوں کو درپیش مسائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیث مبارک میں متنبہ کردیا تھا کہ دجال بے اولاد ہوگا۔ (صحیح مسلم) اس سے پتہ چلتا ہے کہ دجال جس طرز زندگی کو لوگوں میں عام کرے گا وہ مادر پدر آزاد اور فحاشی و عریانی کی زندگی ہوگی اور یہ سب کچھ ماحول کی طاقت سے کیا جاتا ہے۔ ایرانی سوشیالوجسٹ ڈاکٹر علی شریعتی اپنی کتاب On the Sociology of Islam (مطبوعہ کیلیفورنیا ۱۹۷۹ء) میں لکھتے ہیں کہ بندے کی شخصیت کا سانچہ تیار کرنے میں پانچ عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ (۱) ماں، (۲) باپ، (۳) سکول، (۴) معاشرہ، ماحول اور (۵) پوری دنیا میں مروج کلچر۔

اب دیکھا جا سکتا ہے کہ اُن پانچ عوامل میں سے تین کا تعلق گھر سے باہر سے ہے جہاں پر دجالی تہذیب آسانی سے حاوی ہوتی ہے لیکن افسوس اِس بات کا ہے کہ آج میڈیا یعنی ٹی وی، کیبل، ڈش انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے دجالی ایجنٹوں نے گھروں میں گھس کر نوجوان نسل کو تباہ کرنا شروع کردیا ہے۔ نوجوان جو اپنی زندگی کے نازک موڑ پر اپنی بے پناہ

صلاحیتوں کے ساتھ کھڑے اپنی زندگی کا مقصد تلاش کر رہے ہوتے ہیں انہیں دجالی ایجنٹ اُچک کر لے جاتے ہیں اور ان کے دین اور دنیا دونوں تباہ کر دیتے ہیں۔نوجوانوں کو دجالی نظام میں درج ذیل طریقوں سے اُن کی اصل منزل سے بھٹکایا جاتا ہے۔

فحش ویب سائٹس اور ہمارے نوجوان

اِس میں شک نہیں کہ تمام الیکٹرانک مصنوعات کے بہت سے فوائد ہیں لیکن ان میں سے بعض کے نقصانات کی لسٹ ان کے فوائد سے کہیں زیادہ ہے۔آج موبائل فون کی آمد نوجوانوں کی اکثریت کے لئے آفت ثابت ہوئی ہے کیونکہ اُس کی وجہ سے نوجوان لڑکوں لڑکیوں میں معاشقے (love affairs) بڑھے ہیں۔اکثر والدین کو اِس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ اُن کے بچوں کے موبائل فون پر کس کی کال آئی، کہاں سے آئی اور ان کے کن لوگوں سے رابطے ہیں۔والدین کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ اُن کے فون کی Contact List ہی چیک کر لیں۔پھر سیل فون پر "Text Messages" نے معاشقوں کو مزید آسان بنایا کہ خاموشی سے برائی پھیل سکے۔اب سیل فون پر کیمرہ لگنے کی وجہ سے "Text Messages" کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کی تسکین کے لیئے تصاویر بھی "attach" کر دی جاتی ہیں اور یہ جس کام کے لئے نوجوان استعمال کرتے ہیں اُس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سیل فون پر پیغامات کے ساتھ جو تصاویر بھیجی جاتی ہیں اس عمل کو لوگ "sexting" (یعنی جنسی پیغامات) کہتے ہیں۔اب رہی سہی کسر انٹرنیٹ نے پوری کر دی۔پاکستان میں انٹرنیٹ دس سال قبل متعارف ہوا۔دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے استعمال کرنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ملک میں انٹرنیٹ فراہم کرنے والی کمپنیوں کی تنظیم ''اسپاک'' کے اعدادوشمار کے مطابق اِس وقت ملک میں انٹرنیٹ صارفین کی کل تعداد تیس لاکھ ہو چکی ہے اور آنے والے دنوں میں یہ تعداد بڑھے گی۔

ایک انٹرنیٹ سروے کے مطابق نوجوانوں بالخصوص "Teenagers" میں فحش اور

عریاں ویب سائٹس (pornography websites) دیکھنے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اب تو انٹرنیٹ کیفے میں ہر کمپیوٹر پر فحش فلمیں کاپی کر کے رکھ دی جاتی ہیں اور وہاں پر آنے والے نوجوان اُن فلموں کو دیکھ کر اپنی ذہنیت اور ایمان کو تباہ و برباد کر لیتے ہیں۔ مزید برآں، انٹرنیٹ فراہم کرنے والی کمپنیوں کی تنظیم ''اسپاک'' کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والے بیشتر لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ فحش اور عریاں ویب سائٹس دیکھنا ہے۔

نوجوان اور Teenage Liberation تحریک

حدیث جبرئیل علیہ السلام میں جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کی نشانیوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے قیامت کی ایک نشانی یہ بتائی: اَنْ تَـلِدُ الْاَمَۃُ رَبَّتَھَا (صحیح مسلم) ''لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی'' یعنی بیٹیاں اپنی ماؤں پر حکم چلائیں گی۔ علامہ عزالدین عبدالسلامؒ اِس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اِس سے مراد معاشرے کے نظام کا درہم برہم ہو جانا ہے جس میں نوجوان اپنے خاندان کے بزرگوں سے باغی ہوں اور بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز نہ ہو۔

امریکی مفکر اور شاعر رابرٹ بلائی (Robert Bly) اپنی کتاب The Sibling Society میں لکھتے ہیں:

''۱۹۵۰ء کی دہائی کے فلمی اور موسیقی کی دنیا کے ہیروز مثلاً جیمز ڈین (James Dean)، ایلوس پریسلے (Elvis Presley) مارلن منرو (Marilyn Monroe) اور جیک کیراک نے تحریکِ آزادیٔ نوجوانان میں اہم کردار ادا کیا اور اسی لیے نوجوان لڑکے لڑکیاں اُنہیں پسند کرتے تھے۔''

تحریکِ آزادیٔ نوجوانان (جس کی پشت پناہی دجالی نظام، میڈیا کے ہتھیار سے

کرتا ہے) کے معاشرے میں عام ہو جانے کی وجہ سے نوجوانوں کی پرستش کرنے والا کلچر (Youth worshiping culture) وجود میں آتا ہے جس میں بوڑھے لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ بدقسمتی سے مسلمان نوجوان لڑکے لڑکیاں جنہیں میڈیا کی زد سے نہیں بچایا گیا وہ اس کلچر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ ماہرین عمرانیات کے مطابق جس چیز کو نوجوان ''آزادی'' (Teenage Liberation) کا نام دیتے ہیں وہ فی الحقیقت صرف والدین اور مذہبی و اخلاقی اقدار سے آزادی ہوتی ہے ورگرنہ ایسے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے دوستوں یا سہیلیوں کے معاشرتی دباؤ (Peer Pressure) کی زنجیروں میں ذہنی اور جسمانی لحاظ سے بری طرح جکڑے ہوتے ہیں۔ ایسے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے دوستوں کے تلوے چاٹتے ہیں لیکن اپنے دوستوں کے سامنے اپنے والدین کو احمق قرار دینا فیشن سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرز فکر اور طریق تعلیم کے متعلق اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ؎

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

نوجوان اور مخلوط تعلیم (Co-education)

انیسویں صدی کے آخر تک یورپ میں بھی لڑکوں لڑکیوں کی علیحدہ تعلیم کا رواج تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں مخلوط تعلیم کے شیطانی خیال نے یورپ میں انگڑائی لی اور دجالی نظام کی پشت پناہی میں اسے تمام مغربی ممالک بلکہ تمام مسلم ممالک میں بھی عام کر دیا گیا۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں جو اپنی جسمانی نشوونما اور ہارمونز کی وجہ سے اپنے نوجوانی کے دور میں پہلے ہی شدید دباؤ سے گزر رہے ہوتے ہیں انہیں مخلوط تعلیمی ماحول مزید اضطراب میں مبتلا کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں کئی لڑکے لڑکیاں اپنی اصل منزل سے بھٹک جاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مخلوط تعلیم کے نقصانات صرف معاشقوں تک ہی محدود نہیں ہوتے بلکہ اُس سے نوجوانوں کی نفسیات پر بڑے دوررس زہریلے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔مخلوط تعلیم کے نقصانات کا سائنسی تجزیہ میں نے اپنی کتاب ''ایک آنکھ والا دجال'' (مطبوعہ لاہور ۲۰۰۶ء) میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔یہاں پر چند نئی تحقیقات پیش کی جاتی ہیں۔

اسلام لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک دوسرے سے مختلف نفسیاتی نشوونما (Psychological Development) سے پوری طرح باخبر ہے۔قرآن میں واضح طور پر بیان کردیا گیا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں:

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى ٥ (سورہ آل عمران: ۳۶)

(اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا)

نائجیریا (Nigeria) کی بائیورو یونیورسٹی (Bayero University) کے ماہر نفسیات اور اسلامی محقق سالیسو شیہو (Salisu Shehu) اسلامی سائیکالوجی کی تدوین کے سلسلے میں اپنے ایک مضمون میں سورہ آل عمران کی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اِس آیت میں دونوں جنسوں (Genders) میں جو فرق بیان ہوا ہے وہ بہت وسیع ہے۔اس سے مراد لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان حیاتیاتی (Biological) فرق بھی ہے اور نفسیاتی فرق بھی۔اس میں شک نہیں کہ مردوں اور عورتوں کی نشوونما کے عمل میں بہت سے فرق پائے جاتے ہیں۔مثلاً بلوغت کے دور میں لڑکیوں میں لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ سنجیدگی پائی جاتی ہے''

(American Journal of Islamic Social Sciences Vol 15 (4), PP41-69)

جس بات کی طرف مسلم ماہر نفسیات شیہو نے اشارہ کیا ہے وہ ایک حقیقت ہے کیونکہ بلوغت کے وقت لڑکوں کے جسم میں مردانہ ہارمون Testosterone عام حالات کے

مقابلے میں دس سے بیس گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شدید نفسیاتی اور جنسی ہیجان کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے میں مخلوط تعلیم جلتی پر تیل کا کام دیتی ہے۔

۱۹۹۳ء میں امریکہ کے Seventeen میگزین میں سکول کی لڑکیوں پر کیا گیا ایک سروے شائع ہوا۔ جس کے مطابق ۴۲۰۰ لڑکیوں نے یہ رپورٹ کیا کہ انہیں سکول میں لڑکوں نے سرعام اور کئی بار چھیڑا بلکہ غلیظ جنسی الفاظ بھی استعمال کیے۔ اس کے بعد میساچوسٹ ریاست کے وے لیسلے کالج (Wellesley College) کے محققین نے "Seventeen" میگزین کے سروے کی حقانیت کو جانچنے کے لیے پھر اُس سروے کو مخلوط سکولوں کی لڑکیوں پر دہرایا اور ویسے ہی نتائج سامنے آئے۔ اُن محققین کے مطابق ۴۰ فیصد لڑکیوں نے بتایا کہ انہیں لڑکوں کی طرف سے روزانہ چھیڑ چھاڑ برداشت کرنا پڑتی ہے اور ۲۹ فیصد نے بتایا کہ انہیں ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ لڑکوں کی چھیڑ خانی کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اس طرح کے کاموں کی وجہ سے نہ صرف نوجوان لڑکے تعلیم میں دلچسپی لینے کی بجائے لڑکیوں میں دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں بلکہ لڑکیوں میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ فطری شرم و حیا ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

Sege, Irene (March 24, 1993). "A U.S. Survey Shows Wide Harassment of Girls in School". *Boston Globe*. Boston.

اس پر مزید ستم یہ کہ لڑکیاں آہستہ آہستہ پڑھائی میں دلچسپی کھو بیٹھتی ہیں۔ ایسی ہی بہت سی لڑکیوں کی شکایات اور روئداد غم سن کر مغرب کی مشہور خاتون ماہر نفسیات میری پائیفر اپنی کتاب Saving the Selves of Adolescent Girls (مطبوعہ نیو یارک ۱۹۹۴ء) میں لکھتی ہے:

''وہ روز بروز ایسی لڑکیوں کی تعداد بڑھتی ہوئی دیکھ رہی ہے جو اسکول سے انکار (school refusers) ہیں جو مجھے بتاتی ہیں کہ اسکول میں ان کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے

(یعنی مخلوط تعلیم میں لڑکوں کی نظر بازی اور چھیڑ چھاڑ) وہ اُس کا سامنا نہیں کر سکتیں۔"

Pipher, Mary (1994). *Reviving Ophelia: Saving the Selves of Adolescent Girls*. New York, Ballantine Books.

دلچسپ بات یہ ہے کہ میری پائیفر تحریک نسواں کی پر جوش حامی ہیں لیکن پھر بھی وہ مخلوط تعلیم کے نوجوان لڑکیوں پر برے اثرات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہی ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مخلوط تعلیم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کس مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ مسلمان ممالک میں جہاں بھی مخلوط تعلیم یا نوجوان لڑکوں لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط رائج ہے وہاں پر نوجوان نسل تباہ ہوئے بغیر نہیں رہتی کیونکہ مردوں اور عورتوں کی نیچر کہیں بھی نہیں بدلتی، چاہے وہ مغرب ہو یا مشرق۔ ایسے ماحول میں اکثر مسلم نوجوان اپنی اصل منزل کو بھول جاتے ہیں جس کے متعلق اقبال نے اُن سے کبھی سوال کیا تھا ۔

کبھی اے نوجوانِ مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا

نوجوان اور موسیقی

دجالی نظام میں نوجوانوں کو مہیا کی جانے والی سب سے مقبول تفریح موسیقی ہے۔ والدین شاید اِس بات کی سنجیدگی کو نہ سمجھتے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ موسیقی نوجوانوں کی نفسیات پر بہت گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ امریکہ کے ڈاکٹر ایلزبتھ براؤن (Elizebeth Brown, MD) میڈیکل کے میدان کے سب سے مؤقر جریدے Journal of American Medical Association) کے ۱۹۸۹ء کے شمارے میں چھپنے والی اپنی ایک تحقیق میں لکھتے ہیں:

"گھروں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے بیڈ رومز میں علیحدگی میں موسیقی سنتے ہیں اور موسیقی میں پیش کیے گئے پیغامات کو بغیر ماں باپ کی رہنمائی کے سمجھنے کی کوشش کرتے

ہیں......سن بلوغت کے دوران اُن بچوں کے اخلاق اور کردار کی بنیاد پڑتی ہے۔اسی پر اُن کی مستقبل کی شخصیت کا دارومدار رہتا ہے۔اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو میوزک جو ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے وہ نوجوانوں کی زندگیوں میں بڑی مختلف اخلاقی اقدار پیش کرتا ہے۔میوزک میں جنسی بے راہ روی اور سرکشی کا درس دینے والے اشعار اکثر اُن اخلاقی اقدار اور اصولوں سے ٹکراتے ہیں جن پر سوسائٹی کی بنیاد ہوتی ہے۔''

Brown, E.F. & Hendee, W.R. (1989). "Adolescents and their music. Insights into the health of adolescents." *JAMA* 262: 16

اسی طرح امریکہ کے نامور مفکر پروفیسر ایلن بلوم (Allan Blooom) اپنے نوجوان طلباء و طالبات کے متعلق اپنا مشاہدہ اپنی کتاب The Closing of American Mind (مطبوعہ نیویارک ۱۹۸۷ء) میں یوں لکھتے ہیں:

''اگر چہ طلباء و طالبات کے پاس کتابیں ہوں یا نہ ہوں مگر اُن کے پاس میوزک ضرور ہوتا ہے۔اِس (نوجوان) نسل کی بالکل منفرد خصوصیت اُس کا میوزک کا رسیا ہونا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ بقول رابرٹ بلائی (Robert Bly) میوزک انڈسٹری کا نشانہ ہے ہی جوان نسل کیونکہ نوجوان حضرات اندازاً چھ گھنٹے روزانہ موسیقی میں کھپاتے ہیں۔ (بحوالہ: *Sibling Society* ۱۹۹۶ء مطبوعہ نیویارک)

اِس کا ثبوت اس بات سے ظاہر ہے کہ ریکارڈنگ انڈسٹری ایسوسی ایشن آف امریکہ کے مطابق ۱۹۸۶ء میں ۴ بلین امریکی ڈالروں کی موسیقی کی مصنوعات مثلاً ایل پی ایس، سی ڈیز (CDs) اور ٹیپس (Tapes) فروخت ہوئیں۔کل فروخت کا ۳۰ فیصد سے زیادہ حصہ جواں پود یعنی ۱۰ سے ۱۹ سال کے خریداروں کا تھا۔

نوجوانوں کے لیے بلوغت کا دور پہلے ہی بڑا دباؤ اور ہیجان کا دور ہوتا ہے۔یہی وہ وقت ہوتا ہے جب زندگی ایک اہم موڑ پر ہوتی ہے۔مستقبل کے فیصلوں کے لحاظ سے عین

یہ وقت ہوتا ہے جب موسیقی نوجوانوں کو وہ مواد فراہم کرتی ہے جو اُن اقدار سے متعارض ہوتے ہیں جو والدین، اسلامی سوسائٹی اور اساتذہ کی دی ہوتی ہیں جس وجہ سے نوجوان کنفیوز ہو کر غلط سمت میں نکل جاتے ہیں۔

ایک مغربی ماہر تعلیم نے، جس کا ایسے نوجوانوں کے ساتھ وسیع تجربہ ہے جنہیں مسائل درپیش ہوتے ہیں، بیان کیا ہے کہ اس کا مختلف اوقات میں طلباء کے ساتھ گفتگو اور مباحث کے دوران یہ مشاہدہ ہے کہ موسیقی کا موضوع بار بار زیرِ گفتگو آتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے:

''میں نے بار بار غور کیا کہ یہ نوجوان اپنے اخلاق و افعال کے لیے اپنے آئیڈیل فنکاروں (rock music stars) کے رذیل اخلاق کو نمونہ بناتے ہیں۔ اُن کے روز مرہ زندگی میں استعمال ہونے والے الفاظ، اُن کی کتابوں پر لکھے ہوئے گانوں کے عنوانات، اُن کے بیڈ روم کی دیواروں پر چسپاں پوسٹرز، اُن کی اپنی گاڑیوں میں سنی جانے والی موسیقی اور گانے اور کپڑے جو وہ پہنتے ہیں۔ یہ سب اُن کی اپنے آئیڈیل کے ساتھ ذہنی یگانگت ظاہر کرتے ہیں۔'' (Media Update, Nov/Dec 1989)

حقیقت یہ ہے کہ نوجوانوں پر موسیقی کے جو زہر آلود اثرات مرتب ہوتے ہیں اُن کی لسٹ بڑی لمبی ہے۔ اِس موضوع پر تفصیل کے ساتھ میں اپنی کتاب ''موسیقی۔ اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں'' (مطبوعہ از ان سحر پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۹ء) میں لکھ چکا ہوں۔

نوجوان اور Advertisement انڈسٹری

آج پوری دنیا کے دجالی سرمایہ دارانہ نظام کی روحِ رواں اشتہاری صنعت کا نمبر ایک ٹارگٹ نوجوان حضرات ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ان کمپنیوں کو اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ کسی نوجوان کو اپنی مصنوعات کے چال میں پھانسنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر وہ نوجوان ساری زندگی اُن مصنوعات کا استعمال کرے گا۔ جوان گاہک

کمپنیوں کے لیے فائدہ ہی فائدہ ہے۔اشتہاری کمپنیاں یہ جانتی ہیں کہ ایک تو نوجوان لڑکے لڑکیاں ہر نئی چیز کو جلدی قبول کرتے ہیں پھر اُن کے پاس اپنے بزرگوں جتنا تجربہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ ہر چیز کو اپنی زندگی کے تجربے کی کسوٹی پر پرکھ سکیں۔مزید یہ کہ نوجوان بھیڑ چال بھی ہوتے ہیں اور چیزوں کے انتخاب میں دوسرے نوجوانوں سے بہت جلدی متاثر ہوجاتے ہیں۔اِس کے علاوہ ہمیں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ان اشتہاری کمپنیوں میں اونچے عہدوں پر فائز کوئی عام دام لوگ نہیں بلکہ ان میں سے اکثریت کی پی ایچ ڈی کی تحقیقات انسانی نفسیات (Human Psychology) پر ہوتی ہے۔یہ ماہرین ایڈورٹائزنگ کے میدان میں بڑی گہرائی سے تحقیق کرتے ہیں کہ نوجوانوں اور دیگر لوگوں کے ذہنوں کو کس طرح مسخر کیا جائے۔ایسے ہی اشتہاری کمپنیوں کے ماہرین نے ایک کتاب The Emerging Consumer (مطبوعہ کیلیفورنیا) میں مصنوعات خریدنے والے طبقے (Consumers) کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے جن میں سے ہر قسم میں اکثریت نوجوانوں کی ہی ہے۔وہ چار اقسام ہیں:

۱۔لذت پسند (شھوانیون) Hedonists

۲۔راتوں رات امیر ہونے کے خواب دیکھنے والے مرد

(Get Rich Click Males)

۳۔آزاد خیال خواتین (Liberated Females)

۴۔ذہن نہ استعمال کرنے والے نوجوان

(Mindless Teenagers)

یہی وجہ ہے کہ تمام بڑی کمپنیاں لاکھوں ڈالر اپنی مصنوعات کو بیچنے کے لیے محض ایڈورٹائزنگ میں خرچ کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر ۲۷ ستمبر ۱۹۸۹ء کے Advertisement Age میگزین کے شمارے میں جیلٹ (Gilette) کو امریکہ کی ایک سو مشہور ترین کمپنیوں میں ۵۹واں نمبر دیا گیا جن کمپنیوں نے اپنی مصنوعات کی تشہیر کی مد میں بہت خطیر رقم خرچ کی (اُن میں مشہور ترین مصنوعات مردوں کے شیو کرنے کے لیے بلیڈ ہیں)۔ ۱۹۸۸ء میں جیلٹ کمپنی نے تشہیر کا یہ کام میگزین، اخبارات، ٹی وی، کیبل، ڈش اور سپورٹس ریڈیو سے لیا۔ شیونگ کی مصنوعات کی ایڈورٹائزنگ کرنے کی ایک غرض بقول اُن کمپنیوں کے ''نوجوان گاہکوں کو اپنی طرف کھینچنا ہوتی ہے کیونکہ ایک نوجوان پھر ساری زندگی ان کی مصنوعات کو استعمال کرتا ہے۔'' اسی طرح میک اَپ کی مصنوعات بنانے والی کمپنیاں نوجوان لڑکیوں کو نشانہ بناتی ہیں تاکہ پھر وہ ساری عمر اُنہی کی کمپنی کی مصنوعات خریدتی رہیں۔ اسی طرح ملبوسات کی فیشن کمپنیاں بھی آئے دن نئے عریاں اور چست لباس نئے فیشن کے بہانے نوجوان لڑکیوں میں اشتہارات کے ذریعے متعارف کرواتی رہتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نوجوانوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر ابھارنے میں موسیقی کی طرح ایڈورٹائزنگ کمپنیوں کا بھی دخل ہے۔ نوجوانوں کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ڈاڑھی شیو کرنے پر اُبھارنا، لڑکیوں کو میک اَپ کے ساتھ مخلوط محفلوں میں جانے کی ترغیب، چست اور غیر شرعی ملبوسات، اشتہارات میں ماڈل نوجوان لڑکیوں کا استعمال وغیرہ، دجالی دور کے فتنے ہیں جس کی لپیٹ میں سب سے زیادہ نوجوان ہی آتے ہیں۔

نوجوان اور شادیوں میں تاخیر

دجالی دور کا ایک کمال یہ ہے کہ ایک طرف چور کو کہو کہ چوری کرو اور دوسری طرف

کوتوال کو کہو کہ چور کو پکڑ لو۔ یہی چیز نوجوانوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ایک طرف معاشرے میں میڈیا کے زور پر جنسی جذبات کو بھڑکانے کا بھرپور سامان نوجوانوں کے چاروں طرف موجود ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کی شادی میں لمبی پڑھائی یا کیریئر کی وجہ سے بے تحاشا تاخیر کی جاتی ہے۔ ایسے حالات میں نوجوانوں کا وہی حال ہوتا ہے جو چور کا ہوا کہ وہ کسی نہ کسی گناہ میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ پسند کی شادیاں، لڑکیوں کے گھروں سے بھاگنے کے واقعات، انٹرنیٹ اور سیل فونوں پر Text Messages کے ذریعے عشق معاشقے وغیرہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سراسر نافرمانیاں ہیں اور جہنم کی آگ کا یک طرف ٹکٹ (One way ticket to Hellfire)۔ یہ سب کچھ شادیوں میں تاخیر کی وجہ سے جنم لیتا ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ نکاح انسان کی نگاہ کو نیچا کرتا ہے یعنی اس کی عفت و عصمت کی حفاظت کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دجال بے اولاد ہوگا۔ (صحیح مسلم) اِس سے پتہ چلتا ہے کہ دجال کا قائم کیا ہوا نظام جس طرز زندگی کا علمبردار ہوگا اس کا منتہیٰ خاندانی نظام کی تباہی، شادی کی ضرورت کا خاتمہ اور جنسی بے راہ روی ہے۔ اُس کی سب سے زیادہ زد بھی نوجوانوں پر ہی پڑتی ہے کیونکہ نوجوانوں کے لیے اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق شادی کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ نسل انسان کی حفاظت

۲۔ نسب کی حفاظت

۳۔ روحانی اور نفسیاتی سکون

۴۔ خاندان کی تشکیل اور اسلام کے مطابق بچوں کی تربیت کرنے کے لیے میاں بیوی کا باہم تعاون۔

۵۔ معاشرے کو بے حیائی سے محفوظ رکھنا۔

چونکہ موجودہ دور کی یک چشمی اور ہم جنس پرست تہذیب مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق ہی کو مٹا دینا چاہتی ہے اس لیے تحریک نسواں کے علمبردار شادی کی بہت مبہم سی تعریف (Definition) پیش کرتے ہیں۔ اُن کے مطابق شادی میں جتنی تاخیر ہو بہتر ہے تاکہ نوجوانوں کے گناہ کرنے کے امکانات بڑھ سکیں اور اگر شادی کی بھی جائے تو اُس کا مقصد صرف جنسی خواہشات کی تسکین ہوتا ہے۔ رہی بچوں کی تربیت تو وہ دجالی نظام کے ادارے مثلاً ڈے کیئر سینٹر، Preschool، مخلوط تعلیم کے ادارے، ٹی وی کارٹون و دیگر پروگرام وغیرہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اصل مقصد تو بچوں اور نوجوانوں کو ماں کی محبت سے دور رکھنا ہوتا ہے۔ دجالی نظام ماں کی محبت سے سخت خائف ہوتا ہے کیونکہ یہ ماں کی محبت ہی بچوں اور نوجوان لڑکوں لڑکیوں کو برائی پر ٹوکتی ہے اور گناہ کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اسی لیے دجالی نظام میں ماؤں اور بچوں کو علیحدہ علیحدہ مصرف کر دیا جاتا ہے...... نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کے مذہب بیزار، روشن خیال حضرات اِس بات کی کوئی تشریح بیان نہیں کر سکتے کہ آخر کیوں تقریباً ہر معاشرے میں شادی کی رسم ایک ایسی رسم ہوتی ہے جس میں مذہبی رنگ غالب ہوتا ہے۔ برطانیہ کے ماہر علم الانسانیات (Anthropologist) برونز لا میلی نوسکی (Bronslaw Malinowski) اپنی کتاب "Marriage Past and Present" (مطبوعہ بوسٹن، ۱۹۵۶ء) میں انسانی تہذیبوں کا مطالعہ پیش کر کے لکھتے ہیں کہ ہر معاشرے میں شادی کا اصل مقصد عشق و محبت نہیں بلکہ والدین بننا اور اُس سے بھی بڑھ کر ممتا پانا ہوتا ہے۔ مزید برآں، میلی نوسکی کے مطابق ماضی کی ہر انسانی تہذیب جس کا اُس نے مطالعہ کیا اُس معاشرے میں مرد کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان نفقہ کی ذمہ داری اٹھائے۔ آج مسلمان معاشروں میں اگر والدین اپنے لڑکوں کے لیے پیسہ کمانے والی بہو تلاش کرتے ہیں یا آج کے بعض نوجوان کسی پیشہ کمانے والی لڑکی (Working Lady) کو اپنے شریک سفر کے لیے تلاش

کرتے ہیں تو یہ ایسی چیز ہے جو ہزاروں سال سے پائی جانے والی انسانی تہذیبوں کے بالکل خلاف ہے اور آج کے دجالی نظام ہی کی مرہون منت ہوسکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا:

مَابَيْنَ خَلْقِ آدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّال .

(صحیح مسلم۔عن عمران بن حصین)

''حضرت آدمؑ کی پیدائش سے لیکر قیامت تک دجال کے ظہور سے زیادہ بڑا کوئی واقعہ نہیں۔''

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نوجوانو! تم میں سے جو شخص شادی کرسکتا ہو اسے کرلینی چاہئے کیونکہ یہ نگاہ کو بدنظری سے بچانے اور آدمی کی عفت قائم رکھنے کا بڑا ذریعہ ہے۔'' (بخاری و مسلم) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین آدمی ہیں جن کی مدد اللہ کے ذمے ہے، ایک وہ شخص جو پاک دامن رہنے کے لیے نکاح کرے، دوسرے وہ مکاتب جو مال کتابت ادا کرنے کی نیت رکھے، تیسرے وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے۔ (ترمذی، نسائی، احمد)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''نکاح میری سند ہے، جو میری سنت سے منہ پھیرے گا وہ ہم میں سے نہیں۔'' (ابن ماجہ)۔

صحابی رسول عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تھا، اگر میری زندگی کے دس روز بھی باقی ہوں اور میری بیوی مرچکی ہو تو میں دوسری شادی کرلوں گا تاکہ میں اللہ سے اِس حالت میں نہ ملوں کہ میں مجرد حالت میں ہوں۔''

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب اُن کی بیوی کا انتقال ہوا تو انھوں نے دوسرے ہی روز شادی کرلی۔ اور فرمایا ''میں نہیں چاہتا کہ میں ایک دن بھی بغیر شادی شدہ حالت کے گزاروں۔''

جو نوجوان لڑکے یا لڑکیاں جان بوجھ کر شادی کرنے میں تاخیر کرتے ہیں اور کہتے

ہیں کہ ابھی ہماری عمر ہی کیا ہے (یا ان کے والدین یہ سوچتے ہیں) تو ایسا کرنا زندگی میں صرف گناہ کو دعوت دینا ہے۔ اکیلا رہنے میں بہت سی آفتیں پوشیدہ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ نوجوان حضرات شروع شروع میں یہ سمجھیں کہ وہ مضبوط ہیں لیکن بالغ جوان لڑکے اور لڑکیاں جتنا وقت اکیلے گزاریں گے، شیطان کے وسوسے اُن کے دلوں پر اتنے ہی زوردار طریقے سے حملہ آور ہوں گے۔

ہماری سوسائٹی کا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے غلط رویوں نظریات اور بعض حالات کی بناء پر شادی کی بنیادی ضرورت کو نوجوانوں کے لیئے ناقابل رسائی بنا دیا ہے۔ اس مسئلے کا حل یہی ہے کہ والدین اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں۔ جب اُن کے بیٹے اور بیٹیاں جوان ہوجائیں تو ایک مناسب عمر میں ان کی شادی کو اپنی ترجیحات (priorities) میں بہت اوپر رکھیں۔

کورٹ شپ، ڈیٹنگ اور شادی سے پہلے کی ملاقاتیں

(Courtship, dating and testing waters before marriage)

اسلام میں جہاں آزاد شہوت رانی حرام ہے وہاں چوری چھپے آشنائیاں (secret love affairs) بھی حرام ہیں (جیسا کہ سورۃ النساء، آیت 25 میں بیان ہوا ہے)۔ اسلام میں کورٹ شپ یا ڈیٹنگ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک مسلمان لڑکی کو ہر نامحرم مرد کے سامنے چہرہ چھپانے کا حکم ہے۔ صرف مخصوص حالات میں عورتوں کو نامحرم مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے (مثلاً نکاح کی نیت ہو یا عدالت میں گواہی دینے کا معاملہ ہو)۔ حدیث میں آتا ہے:

اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَةً فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا

اِذَا کَانَ اِنَّمَا یَنْظُرُ اِلَیْھَا لِخِطْبَۃٍ وَاِنْ کَانَتْ لاَ تَعْلَم (مسند احمد عن ابو حمید)

ترجمہ: جب کوئی آدمی کسی عورت کو پیغام نکاح دے تو اس پر عورت کو دیکھ لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ نکاح کا پیغام دینے کے لیئے دیکھ رہا ہو۔ خواہ وہ عورت اس سے بے خبر ہو)۔

(مسند احمد عن ابو حمید۔ شیخ ناصر الدین الالبانی نے اپنی سلسلہ الصحیحہ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (حدیث نمبر 97) اور لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔)

اسلامی تعلیمات کے مطابق لڑکے لڑکی کا جب تک نکاح اور رخصتی نہ ہو جائے، وہ ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہی رہتے ہیں۔ صرف منگنی انہیں محرم نہیں بنا سکتی۔ یہ جو ٹی وی ڈراموں یا فلموں میں دکھایا جاتا ہے کہ منگنی کے بعد لڑکے لڑکی ٹیلی فون پر رابطے کرتے ہیں، تنہائیوں میں ملتے اور عشقیہ گفتگو کرتے ہیں، پارکوں اور دریاؤں کے کنارے، کھلی فضا میں پکنک مناتے ہیں یا کاروں میں تنہا سیر و تفریح کرتے ہیں۔ ویلنٹائن ڈے پر محبت بھرے کارڈز کا تبادلہ کرنا یا چاکلیٹیں وغیرہ دینا یہ سب اسلامی شریعت کی رو سے حرام مطلق ہے اور غیر مسلم قوموں کی نقالی ہے۔

جنسی انقلاب کے جدید دور میں یہ بات عام ہے کہ شادی سے پہلے مرد اور عورت کی ملاقاتیں کرنے سے آپس کی ہم آہنگی بڑھتی ہے اور شادی کے بعد کی زندگی میں موافقت اور مناسبت (compatability) پیدا کرنے میں یہ چیز مددگار ثابت ہوتی ہے۔ مشہور حقوق نسواں کی حامی خاتون سکالر جرمین گریئر (Germaine Greer) اپنی حالیہ کتاب The Whole Woman (مطبوعہ نیویارک، 2000ء) میں کورٹ شپ، ڈیٹنگ اور شادی سے پہلے ایک دوسرے کو جاننے کی کوشش کرنا (testing waters before marriage) جیسے عوامی نظریات کی تردید کرتے ہوئے لکھتی ہے:

"Some of the briefest marriages are those that follow a long period of cohabitation."

(Greer, Germaine (2000). The Whole Woman. New York, Anchor Books.)

(وہ شادیاں عام طور پر مختصر ترین ہوتی ہیں جن سے پہلے مرد اور عورت ایک لمبے عرصہ تک ساتھ رہے ہوں (یعنی شادی سے پہلے وہ آپس میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ساتھ رہے ہوں)

اس لئے یہ بات حیرانگی کی نہیں کہ جدید تہذیب اپنے ساتھ طلاقوں کی اتنی اونچی شرح لائی ہے جو انسانی تاریخ میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔ماہرین نفسیات اور سوشیالوجسٹ حضرات کی تحقیقات نے اس سلسلے میں کافی ثبوت مہیا کیا ہے کہ ڈیٹنگ، کورٹ شپ اور شادی سے پہلے بدکاری مستقبل میں پائیدار اور مضبوط ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ ماہرین نفسیات جو کم عمر جوانوں کی ڈیٹنگ (Teenage Dating) کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ اس عمر کے دور میں معاشقانہ تعلقات (Romantic relationships) کی بنیاد شخصی خصوصیات نہیں ہوتیں بلکہ نوجوانوں کے گروپ میں مقبولیت کے درجہ پر منحصر ہوتی ہے۔

سوشیالوجسٹ براؤن بریڈفورڈ (Brown Bradford) کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹین ایج گروپ میں سے سب سے مقبول لڑکا، سب سے مقبول لڑکی کے ساتھ معاشقانہ تعلقات قائم کرے گا اور وہ ڈیٹنگ پر جائیں گے۔اسی طرح دوسرے نمبر پر سب سے مقبول لڑکا لڑکیوں کے گروپ میں سے دوسرے نمبر پر سب سے مقبول لڑکی کے ساتھ معاشقہ کریگا اور یہی حال بقیہ نوجوانوں کا ہوگا۔

(Brown, B. Bradford, " 'You're Going Out with WHO?' Peer Group Influences on Adolescent Romantic Relationships" in Furman, Wyndol, eds., (1999). *The Development of Romantic Relationships in Adolescence*. New York, Cambridge Univ. Press)

امریکہ کی صحافی خاتون لنڈا پرلسٹین (Linda Perlstein) نے مڈل سکول کے طالب علموں کے ساتھ ایک پورا سال اس مقصد کے لیے گزارا تاکہ وہ ان نوجوانوں کے آپس کے معاشقوں کی ماہیت کا مطالعہ کر سکے۔ اپنی کتاب "Not Much Just Chilling": The Hidden Lives of Middle Schoolers (مطبوعہ نیویارک، 2003ء) میں مس لنڈا بیان کرتی ہیں کہ معاشقے کے لیے لڑکے کا انتخاب کرنے میں اسکولوں میں لڑکیاں اپنی ذاتی رائے استعمال نہیں کر رہی تھیں بلکہ اس معاملے میں اپنی سہیلیوں کی آراء (opinions of their peers) پر اندھا اعتماد کر رہی تھیں۔ لنڈا کے الفاظ میں:

"لڑکیاں جب کسی لڑکے کا ڈیٹ پر جانے کے لیے انتخاب کرتی تھیں تو اکثر اُس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ اُس کی سہیلیوں میں سے کسی نے اُس لڑکے کی تعریف یا توثیق کی ہوتی تھی۔ یہ انتخاب اکثر اوقات سطحی باتوں کے متعلق ہوتا تھا۔ مثلاً وہ صحیح نظر آتا ہے، اس لڑکے نے کپڑے صحیح پہنے ہوئے تھے...... پہلی دفعہ ڈیٹ کا کہنے یا تعلقات کو توڑنے کے لیے بیچ کے کسی لڑکی لڑکے کو استعمال کیا جاتا ہے۔"

(Perlstein, Linda (2003). *Not Much Just Chillin': The Hidden Lives of MiddleSchoolers*. New York, Farrar, Straus & Giroux.)

یہی وجہ ہے کہ ہائی سکولوں میں ایک اوسط معاشقے (average romantic relationship) کی مدت تقریباً 11 ہفتے ہوتی ہے جیسا کہ عمرانی علوم کے ایک نہایت مؤقر جریدے Journal of Biosocial Science کے 2000ء کے شمارے میں شائع ایک تحقیق میں دو یورپی محققین نیویل بروس (Neville Bruce) اور کیتھرین سینڈرز (Katherine Sanders) نے یہ ثابت کیا تھا۔

(Bruce, Nevile & Sanders, Katherine (2001). "Incidence and Duration of Romantic Attraction in Students Progressing from Secondary to Tertiary Education." *Journal of Biosocial Science* 33:173-184.)

مستقبل میں زندگی کے نشیب و فراز میں میاں بیوی کے ساتھ رہنے اور طویل و مضبوط تعلق قائم ہونے کے معاملے میں ایسے مختصر معاشقے لڑکی لڑکے کو بدترین قسم کی تیاری کرواتے ہیں۔ بروس اور سینڈرز کے مشاہدات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر لیونارڈ سیکس لکھتے ہیں:

"اکثر والدین یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کے بچوں کے نوجوانی کے دور کے معاشقے اُنہیں مستقبل میں میاں بیوی کے زیادہ سنجیدہ تعلقات کے لیے اچھی تیاری کرواتے ہیں۔ دراصل ہم چلنا سیکھنے سے پہلے بھاگنا نہیں سیکھ سکتے۔ ماہرین نفسیات جو نوجوانوں کے معاشقوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ ایک مختلف ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔"

(Sax, Leonard M.D., Ph.D. (2005). *Why Gender Matters* . New York, Broadway.)

پھر ڈاکٹر سیکس دو نامور ماہرین نفسیات وائنڈول فرمین (Wyndol Furman) اور الزبتھ ویہنر (Elizabeth Wehner) کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے نوجوانوں کے معاشقوں پر کئی سالوں تک تحقیقات کیں۔ ان مڈل سکول اور ہائی سکول کے متعلق وائنڈول اور الزبتھ نے بیان کیا کہ "ان نوجوانوں (adolescents) کے معاشقوں کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے سے وابستگی اور وفاداری قائم ہو......اس کی بجائے ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے معاشقوں کا مطمع نظر یہ ہوتا ہے کہ وہ کیا ہیں، وہ کتنے پُرکشش ہیں ......اور یہ سب کچھ اُن کے دوستوں یا سہیلیوں کے گروپ میں کیسا سمجھا جاتا ہے۔"

(Furman, Wyndol & Wehner, Elizabeth, " Adolescent Romantic Relationships: A Developmental Perspective" (1997). *Romantic Relationships in Adolescence: Developmental Perspectives*. San Francisco, Wiley.)

اِس طرح کے معاشقوں کے نتیجے میں نوجوان ایسی بہت سی بری عادات کا شکار

ہو جاتے ہیں جو مستقبل میں ان کی شادی شدہ زندگی میں فساد پیدا کرتی ہیں۔ وائنڈول اور الزبیتھ کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر لیونارڈ سیکس لکھتے ہیں:

''معاشقوں (love affairs) اور ڈیٹنگ کے تعلقات کے دوران نوجوان بہت سی بری عادات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک لڑکے کو یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ اپنی گرل فرینڈ کو صرف جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھے بغیر ایک انسانی رشتہ کی قدر کرنے کے۔ ایک لڑکی کو یہ عادت پڑ سکتی ہے کہ وہ لڑکے کو صرف ایک ''ٹرائی بوائے فرینڈ'' سمجھے، بغیر ازدواجی زندگی کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے۔ اور ہو سکتا ہے کہ دونوں کو یہ عادت پڑ جائے کہ جونہی کوئی زیادہ بہتر نظر آنے والا/ والی یا زیادہ مقبول پارٹنر نظر آئے تو پہلے والے/ والی کو چھوڑ دیا جائے...... جب یہ نوجوان مکمل جوانی میں پہنچتے ہیں اور سنجیدہ ازدواجی زندگی شروع کرنے کا ٹائم آتا ہے تو ان لڑکوں لڑکیوں کو ایسی بہت سی بُری عادات پڑ چکی ہوتی ہیں جن سے انہیں چھٹکارا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ زیادہ بہتر ہوتا کہ نوجوانی میں شادی سے پہلے ایسے معاشقے (affairs) انہوں نے نہ ہی کیے ہوتے۔''

(Sax, Leonard M.D., Ph.D. (2005). *Why Gender Matters* . New York, Broadway.)

دنیا کے اکثر کلچرز میں لڑکے لڑکیاں شادی سے پہلے گھلتے ملتے نہیں تھے حتیٰ کہ وہ شادی کی عمر کو پہنچ جاتے اور دنیا کے اکثر کلچرز میں آج بھی والدین کی مرضی سے شادیاں (arranged marriages) ہوتی ہیں۔ امریکہ کی کارنیل یونیورسٹی کی سماجی مؤرخ خاتون جواین برمبرگ (Joan Brumberg) اپنی کتاب "The Body Project" میں بیان کرتی ہیں کہ ''1950ء سے پہلے امریکہ میں والدین عام طور پر اپنے بچوں کو بالخصوص اپنی بیٹیوں کو کورٹ شپ، ڈیٹنگ یا شادی سے پہلے لڑکوں سے ملاقاتوں کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

(Brumberg, Joan Jacobs (1997). *The Body Project: An Intimate History of American Girls*. New York, Random House.)

تاہم میڈیا، ٹی وی، انٹرنیٹ، وغیرہ کی وجہ سے اب امریکہ میں نوجوان اپنے والدین سے باغی ہو کر کورٹ شپ اور ڈیٹنگ کرتے ہیں۔ان تمام تحقیقات کی روشنی میں ہمیں اسلام کے پردے کے احکام کی حکمت بھی سمجھ آتی ہے اور اسلام کے اس حکم کی سمجھ بھی آتی ہے کہ مسلمان لڑکی بغیر ولی کے اپنا نکاح نہیں کر سکتی جیسا کہ ہمیں احادیث سے پتہ چلتا ہے:

(1) حضور ﷺ نے فرمایا: لَانِکَاحَ اِلاَّ بِوَلِیٍّ۔ (ابوداؤد، احمد، ترمذی)
(ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں)
یہ ایک متواتر حدیث ہے جسے دس سے زیادہ صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "جس عورت نے بھی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے۔اگر ان کا آپس میں ملاپ ہو گیا تو اس کی وجہ سے عورت کو حق مہر دیا جائے گا، اگر ان کا اختلاف اور جھگڑا ہو تو سلطان وقت اس عورت کا ولی ہوگا، جس کا کوئی ولی نہ ہو۔"

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد)

(3) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت خود اپنا نکاح کرے۔"

(ابن ماجہ، دارقطنی)

اِن تینوں احادیث کو تحقیق کے بعد شیخ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب "اِرْوَاءُ الغَلِیل" میں صحیح قرار دیا ہے۔

ولی سے مراد لڑکی کا والد یا خاندان کا بزرگ سربراہ ہوتا ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق نکاح لڑکی کی مرضی و مشورے سے ہونا چاہیے مگر ولی کے ذریعے طے پایا جانا چاہیئے۔نکاح کے تمام انتظامات ولی نے کرنے ہوتے ہیں۔ پہلے موزوں رشتے کا انتخاب

پھر شادی کا انعقاد اور پھر تمام عمر اس شادی سے پیدا شدہ اچھے یا برے مسائل کا بندوبست بھی ولی نے کرنا ہوتا ہے۔

اگر شادی کا معاملہ بغیر ولی کی موجودگی کے لو افیئر (love affair) اور کورٹ میرج کے ذریعے کیا جائے تو اُس کا انجام وہی ہوتا ہے جو اوپر بیان کئے گئے ہائی سکول کے معاشقوں کا ہو رہا ہے حتیٰ کہ مغرب کے ارباب بصیرت بھی اُن معاشقوں کی بری ناکامی پر چیخ اُٹھے ہیں۔

فیس بک اور دوسری سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹس

آج ٹیکنالوجی کی مدد سے ہمیں ہر قسم کی آسانیاں حاصل ہوئی ہیں۔ لیکن یہی آسانیاں اپنے ساتھ بعض پریشانیاں بھی لائی ہیں۔ اسلام ٹیکنالوجی کے خلاف نہیں ہے لیکن ٹیکنالوجی اور نئی ایجادات کے متعلق اسلام کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اُس کے فوائد اور نقصانات کا موازنہ کیا جائے۔ اگر اس کے فوائد زیادہ ہیں تو اسے قبول کیا جائے گا اور اس کی برائیوں سے اجتناب کیا جائے گا لیکن اگر اُس ایجاد کے نقصانات اس کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں تو پھر اس ایجاد سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

آج جدید ٹیکنالوجی بالخصوص جس کا تعلق میڈیا سے ہے اُس میں شراب کی طرح نقصانات زیادہ ہیں اور فائدے کم۔ آج میڈیا ٹیکنالوجی کی وجہ سے خواتین گھر بیٹھے بے پردگی کے گناہ کا شکار ہو جاتی ہیں بلکہ بعض لڑکیاں اور خواتین تو اپنی آخرت بھی تباہ کر بیٹھتی ہیں۔

اگر ہم مسلمان ممالک میں میڈیا ٹیکنالوجی کی آمد کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ گراموفون (Gramophone) 1887ء میں برطانیہ میں ایجاد ہوا اور 1902ء میں حکومت برطانیہ نے برصغیر میں اسے عام کرنا شروع کیا اور اسکے لیئے GTL کمپنی کی بنیاد رکھی۔ چند ہی سالوں میں برصغیر کے گھر گھر میں ناچ گانے کی صدا بلند ہونا شروع ہو گئی تھی۔

(Baig, Khalid (2008). *Slippery Stone: an inquiry into Islam's stance*

onmusic. Garden Grove (California), Open Mind Press.)

اسی طرح ریڈیو (Radio) 1920ء میں شروع ہوا اور 1936ء میں ریڈیو لائسنس اس تیزی سے جاری ہونا شروع ہوئے کہ ہر ماہ 1500 ریڈیو لائسنس جاری ہوتے۔ مصر میں اسکی رفتار زیادہ تیز تھی۔ جہاں 1934ء میں ریڈیو کے تعارف کے بعد 1956ء میں مصر میں 405000 ریڈیو استعمال کرنے والے تھے۔

ریڈیو ایک ایسی ٹیکنالوجی ہے جس پر صرف آواز سنی جاتی ہے۔ تصویر نظر نہیں آتی لیکن اُس کے تباہ کن اثرات کا اندازہ کرنے کے لئے لیلیٰ ابولقود کا مصر کے ایک دور دراز دیہات میں ریڈیو نشریات سننے والی ایک مسلمان دیہاتی لڑکی کے متعلق درج ذیل تبصرہ ملاحظہ ہو:

''تمام دن جبکہ وہ مسلمان دیہاتی لڑکی گھر کے کام کاج کر رہی ہو یا فارغ بیٹھی ہو، وہ ریڈیو سن رہی ہوتی ہے۔ اُسے مصر کی تمام گلوکاروں کے متعلق علم ہے۔ وہ تمام ریڈیو ڈراموں سے باخبر ہے۔ اُسے اُن تمام فنکاروں کا علم ہے جن کو ان کے خاوند چھوڑ گئے ہیں۔ اُسے اُن جوان خواتین کے متعلق بھی علم ہے جنہوں نے اپنے والدین کی پسند کی شادی (arranged marriage) سے چھٹکارہ حاصل کر کے اپنی پسند کے نوجوانوں کے ساتھ گھر سے بھاگ کر شادی کر لی ہے............''

(Abu Lughod, Lila, "Bedouins, Cassettes and Technologies of Public Culture", Middle East Report No. 159, *Popular Culture*, (Jul-Aug 1989) 7-11, 47)

اسی طرح ٹی وی کو تمام مسلمان ممالک میں مغربی استعمار نے متعارف کروایا۔ اُس کے بعد مسلمان عورت کی بے پردگی کا سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ ہر نئی میڈیا ٹیکنالوجی مسلمان عورت کو مزید بے پردہ کرتی چلی جا رہی ہے۔

ٹی وی کے بعد انٹرنیٹ میدان میں آیا۔ انٹرنیٹ میں ای میل (e-mail) کے فوائد زیادہ ہیں اور نقصان کم لیکن اسکے مقابلے میں انٹرنیٹ گپ شپ (Chatting) ایک ایسی

چیز ہے جس کے نقصانات اسکے فوائد سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جب لڑکیاں انٹرنیٹ پر اجنبی عورتوں سے چیٹنگ کر رہی ہوتی ہیں تو انہیں اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ دوسری طرف وہ واقعی کسی عورت سے چیٹنگ کر رہی ہیں یا کوئی مرد عورت کا روپ دھارے ہوئے کسی شکار کی تلاش میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کے ممتاز عالم دین شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ اگر کوئی لڑکی انٹرنیٹ پر کسی لڑکے سے چیٹنگ (chatting) کر رہی ہوتی ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے وہ کسی کمرے میں تنہا کسی نامحرم لڑکے سے گفتگو کر رہی ہو جو کہ قطعاً حرام ہے۔ حدیث پاک ہے:

لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ.

(جامع الترمذی 1171، اِس حدیث کو شیخ البانیؒ نے صحیح الترمذی میں صحیح قرار دیا ہے)

جب بھی کوئی نامحرم مرد کسی عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

انٹرنیٹ پر لڑکوں لڑکیوں کی ملاقاتوں سے آہستہ آہستہ آپس کی ہچکچاہٹ اور درمیان میں حائل شرم و حیا ختم ہو جاتی ہے اور انسانوں کے اندر موجود جنسِ مخالف کے متعلق جذبات (carnal desire for opposite sex) ان کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اِس بیماری کا شکار صرف کنوارے لڑکے لڑکیاں ہی نہیں بلکہ شادی شدہ مرد حضرات اور خواتین بھی ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں انٹرنیٹ پر لڑکوں کا چیٹنگ کے دوران لڑکیوں کو چھیڑ چھاڑ (یعنی Cyber-bullying) بھی لڑکیوں کے اندر سے شرم و حیا کو آہستہ آہستہ ختم کرتا چلا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرہ انسانوں کی Privacy کی قدر کرتا ہے۔ سورہ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً ﴾

(سورہ الحجرات: ۱۲)

''تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔''

قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے راز نہ ٹٹولیں۔لوگوں کے حالات اور معاملات کی ٹوہ نہ لگاتے پھریں۔یہ حرکت چاہے بدگمانی کی بنا پر کی جائے یا محض اپنا استعجاب (Curiosity) دور کرنے کے لئے کی جائے۔دونوں صورتوں میں منع ہے۔ لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا اُن کے ذاتی معاملات کی ٹٹول کرنا ایک بڑی بداخلاقی ہے جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا:

اِنَّکَ اِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ اَوْ كِدْتَ اَنْ تُفْسِدَهُمْ. (ابو داؤد)

(تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گے تو ان کو بگاڑ دو گے یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے۔)

(شیخ البانی نے اِس حدیث کو "صحیح ابو داؤد" میں صحیح کہا ہے۔ حدیث 4888)

تجسس کرنا انسانوں کے اندر ایک فطری کمزوری ہے جس پر قرآن بند باندھتا ہے۔ آج شیطان نے انسان کی اسی فطری کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام میں فیس بک (Facebook) اور ٹوئٹر (Twitter) جیسی معاشرتی تعلقات (Social Networking) بنانے والی ویب سائٹس کو عام کیا ہے۔فیس بک (Facebook) پر جو تصاویر پوسٹ کی جاتی ہیں، اُن کو گھر سے باہر دکھانے کی کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہوتی۔پھر آخر فیس بک اور ٹوئٹر جیسی ویب سائٹس عوام (بشمول مسلمانوں) میں اتنی مقبول کیوں ہورہی ہیں۔اِس سے آخر کیا حاصل ہوتا ہے؟ دراصل یہ انسان کی تجسس (Curiosity) کرنے کی مخفی خواہش کے ساتھ کھیل ہے۔لوگ دوسرے لوگوں کو فیس بک (facebook) کے ذریعے یہ موقع دیتے ہیں کہ آؤ ہماری کھڑکی سے جھانک کر دیکھو کہ ہمارے مشاغل کیا

ہیں اور ہمیں بھی موقع دو کہ ہم فیس بک کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھیں کہ تم ہر وقت کیا کرتے رہتے ہو۔ یہ دراصل معاشرے کے اندر شرم و حیا اور آپس کی جھجک کی حدود توڑنے کی سازش ہے۔ کسی کی خلوت (Privacy) میں اُس کی مرضی کے بغیر جھانکنا تو برا سمجھا جاتا ہے لیکن اگر فیس بک پر کمپیوٹر کا ایک بٹن دبا کر (Click of a button) ہم ایک دوسرے کو خود دعوت دیں کہ ہم ایک دوسرے کے مشاغل کے متعلق تجسس کریں تو یہ بات معیوب نہیں سمجھی جاتی۔ اِس کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم ان معاشرتی قدروں کو توڑ ڈالیں جو ہماری حفاظت کرتی ہیں۔

اِس پر مستزاد یہ کہ فیس بک (facebook) اور ٹوئٹر (Twitter) جیسی ویب سائٹس پر جا کر گھر بیٹھے ہوئے خواتین کی جو بے پردگی ہوتی ہے اُس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فیس بک پر کنٹرولز (Controls) ہوتے ہیں تو یہ دراصل:

ع ''دل کو بہلانے کا بہانا اچھا ہے غالب''۔

آخر کیا وجہ ہے کہ فیس بک استعمال کرنے والوں کی غالب اکثریت اُن کنٹرولز کو بالکل استعمال نہیں کرتی اور کنٹرولز کتنے بھی اچھے ہوں، فیس بک اور ٹوئٹر ویب سائٹس چلانے والے تو مسلمان خواتین کی یا لوگوں کی تصاویر دیکھ سکتے ہیں۔ پھر یہ کیسے کنٹرول ہیں؟

آپ آخر کتنی ایک فیس بک پروفائلز (Facebook Profiles) جانتے ہیں جس میں لوگوں نے آخری حد تک کنٹرول متحرک (activate) کیے تھے کہ صرف اُن کی قریبی ترین فیملی کے لوگ ہی وہ تصاویر دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب کا ایک خوبصورت قول ہے کہ ''راز اُس وقت تک راز ہوتا ہے جب تک ہم وہ کسی کو بتاتے نہیں۔ جب ہم نے وہ راز کسی کو بتا دیا تو وہ راز نہیں رہتا۔''

مسلمان لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ وہ فیس بک پر صرف اپنی سہیلیوں کیلئے تصاویر پوست

کر رہی ہیں لیکن وہ بھول جاتی ہیں کہ ان کی سہیلیوں کے گھر میں نامحرم مرد بھی موجود ہوتے ہیں (مثلاً بھائی، خاوند، جوان بیٹے، دیور، جیٹھ وغیرہ) جو اُن نامحرم لڑکیوں کی تصاویر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ہماری مسلمان بہنیں آخر رسول کریم ﷺ کے اِس ارشاد کو کیوں بھول جاتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَرْاَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ.

(سنن الترمذی، کتاب الرضاع رواہ ابن حبان فی صحیحہ و الطبرانی فی الکبیر)

''عورت تو چھپانے کی چیز ہے۔ جب یہ (گھر سے بغیر ضرورت کے) باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔''

(امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور علامہ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے)

اِس حدیث میں عورت کو ''عورۃ'' کہا گیا ہے یعنی چھپانے کی شے۔ جب عورت کی تصاویر فیس بک جیسی ویب سائٹس کے ذریعے گھر سے باہر نکلتی ہیں تو لازماً شیطان ان کو جھانکتا ہے۔ معاشرے میں فساد بڑھتا ہے۔ لڑکیوں کے گھر سے بھاگنے کے واقعات اور طلاقوں کی شرح میں اضافے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حال ہی میں ایک مصری عالم نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ ''انٹرنیٹ سائٹ فیس بک کا استعمال حرام ہے''۔ جامعۃ الازہر کے سابق سربراہ اور مشہور مصری عالم دین شیخ عبدالحمید الاطرش نے نیٹ ورکنگ انٹرنیٹ سائٹ فیس بک (Facebook) کیخلاف فتویٰ دیتے ہوئے کہا ہے کہ اُس سے فائدہ اٹھانے والا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اسکا استعمال حرام ہے۔ انہوں نے کہا کہ فیس بک کی ایجاد کے بعد سے شرح طلاق میں اضافہ کیساتھ شادی شدہ افراد میں بے وفائی بڑھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ فیس بک سے خاندان تباہ ہو رہے ہیں کیونکہ یہ جوڑوں کی شادی سے ماورا دوسروں سے تعلقات قائم کرنیکی حوصلہ افزائی کرتی ہے جو کہ شریعت کیخلاف ہے۔ انہوں

نے مزید کہا کہ فیس بک کیوجہ سے مسلم خاندانوں کو خطرات لاحق ہیں کیونکہ گھر کا ایک فرد (خاوند یا بیوی) باہر کمانے جاتا ہے تو پیچھے دوسرا آن لائن گپ شپ کر کے اور فیس بک پر جا کر نہ صرف شریعت کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ اپنا وقت بھی ضائع کرتا ہے۔

(*Urdu Link* USA, Friday Feb 19, 2010)

انٹرنیٹ پر کیمرہ آجانے سے بھی اسی قسم کی قباحتیں پیدا ہوئیں۔لوگوں کے گھروں کی Privacy میں کھلی مداخلت ہونا شروع ہو گئی۔اکثر اوقات لڑکیاں یا خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ وہ انٹرنیٹ کیمرے پر اپنی سہیلی سے گفتگو کر رہی ہیں لیکن وہ اس بات کو بھول جاتی ہیں کہ کمپیوٹر کی دجالی آنکھ جیسی سکرین پر اُن کی سہیلی کے علاوہ سہیلی کے گھر کے نامحرم مرد بھی ان کی ویڈیو دیکھ سکتے ہیں۔

یہی حال سیل فون کیمرے کا ہے۔سیل فون لوگوں کی سہولت کے لئے ایجاد ہوا ہے اور آج بھی سہولت ہے اگر اسے صرف سیل فون کے طور پر استعمال کیا جائے۔پہلے سیل فون ٹیکسٹ پیغامات (Text messaging) کو عشق و محبت کے لیئے استعمال کیا جانا شروع ہوا۔اس کا سب سے بڑا مظہر ویلنٹائن ڈے (Valentine Day) پر سیل فونز پر عشقیہ پیغامات کی صورت میں سامنے آنا شروع ہوا۔پھر جب ہوس کی اِس سے تسکین نہ ہوئی تو سیل فون کیمرہ نے فتنہ و فساد میں مزید اضافہ کیا۔سیل فون پر لڑکوں لڑکیوں کے ایک دوسرے کو تصاویر بھیجنے کے عمل کو (Sexting) کا نام دیا گیا اور نام سے ظاہر ہے کہ اس کا سب سے زیادہ استعمال کس کام کے لئے ہوتا ہے۔اس طرح سے سیل فونز پر Texting سے Sexting کا مکروہ سفر طے ہوا۔بعض واقعات تو پاکستان کے کچھ شہروں میں ایسے بھی ہوئے ہیں کہ لڑکی نے اپنی طرف سے صرف اپنے محبوب کو اپنی ہیجان انگیز تصاویر بھجوائیں لیکن اُس لڑکے نے شیخی مارنے کے لئے اُن تصاویر کو اپنے حلقۂ احباب میں عام کر دیا۔ جب بات بہت پھیل گئی تو لڑکی نے مجبور ہو کر خودکشی کر ڈالی۔

یہ سب اسلام کے احکامات حجاب کو نہ سمجھنے اور عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہوا۔
خواتین کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ الیکٹرانک میڈیا پر بے پردگی کا سب سے زیادہ نقصان انہیں ہی ہوتا ہے۔ مرد حضرات تو عورتوں کو بے پردہ اور رسوا کر کے شیطان کی طرح آخر میں سائیڈ پر ہو جاتے ہیں اور اُس کا خمیازہ خواتین کو اکیلے بھگتنا پڑتا ہے (گو کہ اللہ کے عذاب سے وہ مرد شیطان بھی بچ نہ سکیں گے)۔ بہر حال اپنے پردے کی حفاظت خواتین کو خود کرنی چاہیے۔ اُنہیں نامحرم مردوں پر کبھی کسی حال میں اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ خواتین اور لڑکیوں کی حیثیت اُس لڑکی کی ہے یعنی Little Red Riding Hood جو جنگل سے گزر کر اپنی دادی امی کو کھانا پہنچانے جا رہی تھی اور فیس بک یا انٹرنیٹ گپ شپ (chatting rooms) یا دوسری میڈیا ٹیکنالوجیز پر موجود نامحرم مردوں کی حیثیت اُس بھیڑیے (Wolf) جیسی ہے جو بچوں کی کہانی (Little Red Riding Hood) میں اُس لڑکی کی دادی کے کپڑے پہن کر اس لڑکی کو کھانا چاہتا تھا۔ اس لئے بھیڑیوں سے ہوشیار رہیں۔

"Beware of the Wolves !!!"

فیس بک کا نشہ

2010ء کے اوائل میں فیس بک کو استعمال کرنے والوں میں 40% فیصد کی عمریں 25 برس سے کم تھیں۔ یعنی فیس بک استعمال کرنے والوں کی اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ مزید برآں، فیس بک کے سروے کے مطابق نوجوانوں (teenagers) میں سے 58 فیصد کی رائے یہ تھی کہ فیس بک اور ٹوئٹر جیسی سوشل ویب سائٹس پر اپنی تصاویر پوسٹ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں۔

نوجوانوں اور بڑوں کو فیس بک جیسی ویب سائٹس کا ایسا نشہ ہوتا ہے کہ انھیں اِس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ ان کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں The

Associated press نے یہ خبر شائع کی ہے کہ امریکی ریاست کولوریڈو کے شہر گریلی (Greeley,Colorado) میں ایک عورت فیس بک پر گیم کھیلنے میں اتنی محو ہوئی کہ اُس کا 13 ماہ کا بچہ باتھ روم میں ٹب میں نہاتے ہوئے ڈوب کر مر گیا۔ ڈسٹرکٹ جج تھامس کوامین (judge thomas quammen) نے اُس عورت کو 10 سال قید کی سزا سنائی۔

"Mom on Facebook sentenced in son's drowning death."
(April 15, 2011) *Associated Press* (news yahoo.com)

عدالتی رپورٹ کے مطابق 34 سالہ شینن جانسن (Shannon Johnson) نے 20 ستمبر 2010ء کو صبح ساڑھے آٹھ بجے اپنے 13 ماہ کے بیٹے کو باتھ ٹب میں نہانے کے لئے چھوڑا اور خود دوسرے کمرے میں فیس بک پر ویڈیوز اور تصاویر share کرنے، status update چیک کرنے اور کیفے ورلڈ گیم (Cafe world on facebook) کھیلنے کے لئے چلی گئی۔ کافی دیر کے بعد وہ واپس باتھ روم میں گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کا بیٹا باتھ ٹب میں مرا ہوا اوندھے منہ پڑا ہے۔

وہاں کے مقامی اخبار The Greeley Tribune کے مطابق جج نے عورت کو دس سال کی قید سناتے ہوئے کہا:

You left this little boy in a bath tub so you could entertain yourself on the computer by playing games.

(تم نے اس چھوٹے سے بچے کو باتھ ٹب میں صرف اس لئے اکیلا چھوڑ دیا تا کہ تم کمپیوٹر پر گیمز کھیل کر تفریح حاصل کر سکو۔)

یہ فیس بک کا نشہ نہیں تو آخر کیا ہے جو ایک ماں کی ممتا پر غالب آ گیا اور ایک ماں نے فیس بک پر چند تصاویر دیکھنے کے شوق میں اپنے بچے کو پانی میں ڈوبنے دیا۔

باب 4

استعمار اور میڈیا کا گٹھ جوڑ

استعماری طاقتوں (colonial powers) نے مسلمان ممالک پر اپنے فوجی اور سیاسی طاقت کے زور پر اپنے اقتدار کو ٹھونسا جس کے نتیجے میں انہوں نے مسلم ممالک کا ستیاناس کر کے رکھ دیا۔ مغربی آقاؤں نے اپنی فوجی طاقت سے مسلم ممالک کے نوجوانوں کے جسموں کو فتح کیا اور میڈیا کی طاقت سے اُن کی روحوں کو مغلوب کیا۔

مسلم نوجوانوں میں موسیقی کو عام کرنے میں سب سے پہلے گراموفون نے اہم کردار ادا کیا۔ پھر ریڈیو میدان میں آیا۔ اسکے بعد ٹی وی، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ای میل، موبائل فون، ٹیکسٹ میسجنگ یکے بعد دیگرے میدان میں آئے اور مسلم ممالک کے نوجوانوں میں اُن کو عام کیا گیا۔

گراموفون 1887ء میں برطانیہ میں ایجاد ہوا۔ بہت جلد گراموفون بنانے والی کمپنی GTL یعنی Gramophone and Typwriter Ltd نے اسے حکومت برطانیہ کے محکوم مسلمان ممالک میں عام کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً 1902ء میں گراموفون برصغیر پاک و ہند میں پہنچا۔ ساتھ ہی برطانیہ کی GTL کمپنی نے اپنے نمائندوں کو اپنے ریکارڈنگ بزنس کے لیئے گلوکاروں (گویّوں) کی تلاش میں بھیجا۔

Farrel, Gerry, "The early days of the gramophone industry

in India" (1998) edited by Andrew Leyshon, New York, The Gilford Press.

جلد ہی انہیں اپنے بزنس کے لیئے بہترین امیدوار گوہر جان (وفات 1930ء) کی صورت میں مل گئی۔ گوہر جان دراصل آرمینیا کی ایک یہودن تھی جسکا اصل نام انجلینا یوؤرڈ (Angelina Yeoward) تھا۔ اُس کی پیدائش کلکتہ، انڈیا میں ہوئی۔ جب گوہر جان کی ماں کو طلاق ہوئی تو اُس نے اور اسکی ماں نے برائے نام اسلام قبول کرلیا۔

گوہر جان ایک طوائف تھی اور کلکتہ کے کوٹھوں کی زینت بنا کرتی تھی۔ اُس دور میں بھی آج کی طرح طوائفوں کے کوٹھے ایسی لڑکیوں پر مشتمل ہوتے تھے جنہیں وہاں یا تو اغواء کر کے لایا گیا ہوتا تھا یا پھر غریب والدین انہیں کوٹھے والوں کے آگے بیچ ڈالتے تھے۔ گراموفون کی ایجاد کے بغیر شاید گوہر جان تمام عمر کوٹھے پر یا کسی نواب کے دربار میں اپنی زندگی گزار دیتی لیکن گراموفون کی وجہ سے اسکی شہرت برصغیر پاک وہند کے گھر گھر میں گھس گئی۔ گوہر جان کا کلکتہ کے ایک کوٹھے کی طوائف سے میڈیا اور شو بزنس کی نامور گلوکارہ تک کا سفر ٹیکنالوجی نے پہلی مرتبہ ممکن بنا دیا۔

(Baig, Khalid (2008) *Slippery Stone*. Open Press, California)

اب لوگوں کو کوٹھوں پر جا کر طوائفوں کے گانے سننے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ گراموفون پہلی مرتبہ کوٹھے کو اٹھا کر مسلمانوں کے گھروں میں لے آیا۔ یہ بزنس اتنا کامیاب ہوا کہ 1908ء میں GCI یعنی Gramophone Company of India نے "باجا خانہ" نامی فیکٹری کلکتہ میں قائم کی جہاں پر گراموفون کی ڈسکس (discs) کو تیار کیا جاتا تھا اور پورے ملک میں فروخت کیا جاتا تھا۔ گوہر جان کے گانے ہندوستان کے گھر گھر میں سنے جانے لگے۔ اُس کا دورِ شہرت 1930ء تک تقریباً تیس سال پر محیط ہے۔ جو لوگ طوائفوں کے کوٹھوں پر جا کر گانا سننے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اب آہستہ آہستہ اتنے

بے حس (desensitize) ہو گئے کہ انہیں اس بات میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی تھی کہ کوٹھا اب خود چل کر اُن کے گھر آ گیا تھا۔ (بحوالہ ایضاً)

الیکٹرانک میڈیا کی سحر انگیز خصوصیات

الیکٹرانک میڈیا میں سب سے پہلی ایجاد ٹی وی کی ہے۔ اس لئے ہم زیادہ اسی کے اثرات پر بحث کریں گے۔ لیکن ٹی وی اور کمپیوٹر میں کچھ زیادہ فرق نہیں بلکہ انٹرنیٹ کے نقصانات کی لسٹ ٹی وی سے بھی لمبی ہے۔ بہر حال نیل سن کی حالیہ رپورٹ Nielson Report کے مطابق 2 سے 5 سال کی عمر کے بچے اوسطاً 21.8 گھنٹے ہر ہفتے ٹی وی دیکھتے ہیں جبکہ 6 سے 11 سال کی عمر کے بچے 18.3 گھنٹے فی ہفتہ ٹی وی دیکھتے ہیں۔
Nielson Media Research Report on Television (2000)

ٹی وی کی ایجاد کا ایک پہلو ایسا ہے جو اُسے پچھلی تمام ٹیکنالوجیز سے ممتاز کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ٹی وی سے پہلی کی کسی ایجاد نے 6 برس سے کم عمر بچوں کی زندگیوں کو متاثر نہیں کیا۔ چاہے وہ لائٹ بلب ہو یا گاڑی ہو یا فون ہو۔ اُن ایجادات نے بڑوں کی زندگیوں کو تو متاثر کیا لیکن بچوں کے معمولات متاثر نہ ہوئے تھے۔ ٹی وی آنے کی دیر تھی کہ چھوٹے بچوں کی زندگیاں، اُن کے کھیل، اُن کی پڑھائی، اُن کے مشاغل، اُن کی نیند سب کچھ متاثر ہو گئے۔ اِس میڈیم کی سحر انگیزی اتنی مضبوط ہے کہ اسے دیکھتے ہوئے بچے نہ سو رہے ہوتے ہیں نہ جاگ رہے ہوتے ہیں۔ یہ والدین کا عام مشاہدہ ہے کہ جب بچے ٹی وی دیکھ رہے ہوں اور اُن کے قریب فون بج رہا ہو تو وہ فون نہیں اٹھاتے۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے اُن کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔ اُن کا نچلا جبڑا relax ہو جاتا ہے اور منہ حیرت سے کھل جاتا ہے، اُن کی ٹکٹکی بندھ جاتی ہے۔ زبان بند ہو جاتی ہے۔ وہ اُس جادو کے اثر سے اس وقت باہر نکلتے ہیں، جب پروگرام ختم ہوتا ہے۔

فیملی لائف اور عبادات پر دجالی میڈیا کا اثر

جب ٹی وی سیٹ پہلے پہل مارکیٹ میں آئے تو ان کی قیمت اتنی زیادہ تھی کہ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ یہ کبھی گھر گھر عام ہو جائیں گے۔ امریکہ جہاں پر ٹی وی ایجاد ہوا وہاں پر 1950ء میں صرف 8 فیصد فیملیوں کے پاس ٹی وی سیٹ تھے۔ 1957ء میں 78فیصد گھروں میں ٹی وی آگئے۔ 1964ء میں یہ تعداد بڑھ کر 92فیصد ہوگئی۔ اسی طرح 1980ء کی دھائی میں جب کمپیوٹر عام ہونا شروع ہوئے تو کسی کو اندازہ نہ تھا کہ 2000ء میں گھر گھر میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ ہوں گے۔

ٹی وی اور پھر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی ایجاد کے وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بالخصوص اِن ایجادات کا پورے معاشرے پر اتنا گہرا اثر ہوگا کہ پورے پورے معاشروں کا رہن سہن بدل جائے گا۔ ٹی وی نے لوگوں کے طرز زندگی کو بدل کر رکھ دیا، اور مسلمان بھی غیر مسلموں کی طرح اِس دجالی ایجنٹ سے متاثر ہوئے۔ مسجدوں میں نمازیوں کی حاضری میں ٹی وی آنے کی وجہ سے فرق پڑا۔ لوگوں نے ایک آنکھ والے دجال کے ایجنٹوں کی خاطر اپنے رب کی فرض کردہ نمازوں میں تاخیر شروع کردی۔ پاکستان میں ایک دور میں لوگوں کے معمولات رات 8 بجے کے ڈرامے کے گرد گھومتے تھے۔ انٹرنیٹ کی آمد کی وجہ سے نوجوانوں نے رات کو انٹرنیٹ پر وقت گزارنا شروع کردیا جس کی وجہ سے اُن کی فجر کی نمازیں قضا ہونا شروع ہوگئیں۔ اب بچوں پر دسترخوان پر بیٹھ کر والدین سے گفتگو کرنا اور سوال و جواب کرنا قصہ ٔ ماضی بن گیا۔ گھر کا ہر فرد بجلی سے چلنے والی منشیات (Plug-in Drugs) کا رسیا بن گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بچوں کے معاشرتی بننے کے عمل (Socialization) کے سب سے بڑے دشمن ٹی وی اور کمپیوٹر ہیں۔

اعداد و شمار اور تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ ٹی وی فیملی کو ایک دوسرے سے بیگانہ بناتا ہے۔ اور فیملی کے آپس کے تعلقات میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ ایک سروے میں اِس بات کا انکشاف ہوا کہ 78فیصد سروے کا جواب دینے والوں نے بتایا کہ ٹی وی دیکھنے کے دوران

فیملی میں آپس میں کوئی گفتگو نہیں ہوتی ۔سوائے اُس وقت کے جب اشتہارات (Commercials) دکھائے جارہے ہوں ۔اس تحقیق کا نتیجہ یہ تھا:

"The television atmosphere in most households is one of quiet absorption on the part of family members who are present.... The TV set does seem to dominate family life when it is on."

Maccoby, E. (1951) "Television: Its impact on school children" *Public Opinion Quarterly*, Vol.15.

(بیشتر گھروں میں ٹی وی دیکھنے کی فضا ایسی ہوتی ہے کہ فیملی کے تمام لوگ خاموشی میں ڈوبے ہوتے ہیں ۔ٹی وی سیٹ جب آن ہوتا ہے تو یقیناً فیملی لائف پر غالب ہو جاتا ہے ۔)

اسی طرح ایک دوسری تحقیق میں 36 فیصد لوگوں نے یہ وضاحت کی کہ پورے ہفتے میں ٹی وی دیکھنا ہی ایک ایسا عمل ہوتا ہے جس میں اُن کی پوری فیملی شریک ہوتی ہے:

Hamilton, R. and Lawless, R. (1956) "Television within the social matrix" *Public Opinion Quarterly*, vol.20.

ہنری کیسر فاؤنڈیشن کے اعداد وشمار تو بالکل چونکا دینے والے ہیں کہ تقریباً 60 فیصد خاندان کھانا کھانے کے دوران ٹی وی دیکھتے ہیں اور ضروری نہیں کہ ایک ہی ٹی وی سیٹ کے سامنے بیٹھ کر۔فیملی کے لوگ اپنے پورے دن کی مصروفیات آخر کب آپس میں بیان (Discuss) کریں گے؟'' آخر کب فیملی کے افراد منصوبے بنائیں گے؟ نظریات کا آپس میں تبادلہ کریں گے، ایک دوسرے سے مذاق کریں گے، ایک دوسرے کو اپنی

کامیابیوں یا ناکامیوں سے آگاہ کریں گے؟'' ایک حقیقی فیملی کی طرح برتاؤ کرنے کا انھیں آخر کب وقت ملے گا؟

Kids and media @ the new millenium (1999)
The Henry J. Kaiser Foundation, Menlo Park, California

ٹی وی کی آمد سے لوگوں کی معاشرتی شرکت (Social involvement) میں بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ہارورڈ یونیورسٹی کے سماجی مؤرخ رابرٹ پٹنم (Robert Putnam) نے اپنی محققانہ کتاب Bowling Alone: The Collapse and Revival of American community میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ 1960ء کے اواخر اور 1970ء کے شروع میں لوگ اجتماعی ذہنیت کی بجائے انفرادی ذہنیت کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چرچوں میں اُن کی شرکت کم ہونا شروع ہو گئی۔سیاسیات میں شرکت بھی تیزی سے کم ہوئی۔

معاشرے میں لوگوں کی آپس کے میل ملاقات میں تیزی سے کمی واقع ہونا شروع ہو گئی اور یہ معاشرتی رجحان اگلے تیس سالوں میں تیزی سے بڑھا۔ ڈاکٹر پٹنم کے مطابق معاشرے میں تعلقات کا یہ زوال امریکہ کی پہلی ٹی وی دیکھنے والی نسل (T.V.Generation) کے ساتھ شروع ہوا۔اُن کے الفاظ میں:

"More television watching means less of virtually every form of civic participation and social involvement."

(Putnam, Robert D (2000) Bowling Alone: The Collapse and Revival of American Community. Simon & Schuster, New York)

(زیادہ ٹی وی دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی سماجی شراکت میں کمی واقع ہوگی۔)

ٹی وی کے بعد دیگر الیکٹرونک میڈیا مثلاً انٹرنیٹ، آئی پاڈ، کمپیوٹر گیمز وغیرہ نے معاملے کو بد سے بدتر بنادیا۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دعوت وتبلیغ کرنے والوں اور اسلامی تحریکی کارکنوں کے لیے اپنا اور اپنی فیملی کا کم سے کم ٹی وی دیکھنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے کیونکہ دعوت وتبلیغ کے کام کی بنیاد ہی اجتماعیت اور سماجی شرکت (Social participation) ہوتی ہے جبکہ ٹی وی اور کمپیوٹر انسانوں کے آپس کے تعلقات کے دشمن ہوتے ہیں۔

باب 5

ٹی وی، کمپیوٹر اور پڑھائی

ٹی وی اور منشیات کا موازنہ

والدین بار بار اِس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہر مرتبہ ایک یا دو گھنٹے کا ٹی وی پروگرام دیکھنے کے فوراً بعد اُن کے بچوں کا مزاج چڑ چڑا ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ تیز کچھ دیر کے لئے رہتی ہے، اِس لئے والدین اُسے بھول بھلا دیتے ہیں لیکن جب والدین سے پوچھا جائے تو وہ اُس عارضی بدمزاجی (temporary crankiness) کی عام شکایت کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ٹی وی دیکھنے میں وقت ضائع کر کے بچوں کو ایک طرح کا خالی پن کا احساس (feeling of emptiness) ہوتا ہے۔ جس کا اظہار وہ بدمزاجی یا بے ہنگم اُچھل کود میں ٹی وی دیکھنے کے فوراً بعد کرتے ہیں کیونکہ انسانی دل کا سکون صرف اللہ کے ذکر میں ہے۔

اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب ﴾ (سورة الاعراف: ۲۸)

(خبردار رہو کہ دلوں کا سکون صرف اللہ کو یاد کرنے میں ہے)

قرآن رحمانی روشنی ہے جسے پڑھ کر روح کو سکون ملتا ہے۔ ٹی وی اور کمپیوٹر کی

سکرین سے نکلنے والے شعاعیں (cathode rays) دراصل شیطانی روشنی ہوتی ہیں، جو دل میں صرف بے چینی پیدا کرتی ہیں اور اسی چیز کا اظہار بچے اپنے رویے سے کرتے ہیں۔

ٹی وی دیکھنے کے فوراً بعد کی بد مزاجی (post television crankiness) دراصل والدین کے لئے ایک لمحہ فکر یہ ہونا چاہئے۔اس رویئے کی سائنسی وجوہات بھی ہیں۔امریکی عمرانی سائنسدان خاتون میری ون (Marie Winn) کے مطابق ٹی وی دیکھنے کے فوراً بعد پیدا ہونے والی یہ کیفیت اسی طرح کی ہے جیسے اکثر بچے نیند سے بیدار ہو کر کافی دیر تک اَپ سیٹ رہتے ہیں (post sleep irritability) اور اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک شعوری حالت (نیند) سے دوسری شعوری حالت (بیدار رہونا) میں داخل ہو رہے ہوتے ہیں۔میری ون یہ سوال اٹھاتی ہیں کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر ٹی وی دیکھتے ہوئے بچہ کون سی شعوری حالت میں ہوتا ہے؟ یہ تو واضح ہے کہ وہ سو نہیں رہا ہوتا، پھر کیا یہ شعوری حالت جاگنے سے مختلف ہے؟ ایسا تو منشیات کے استعمال سے ہوتا ہے کہ وہ انسان کو جاگنے اور سونے کے درمیان کسی تیسری شعوری حالت میں پہنچا دیتی ہیں۔یہ ثابت کرتا ہے کہ ٹی وی کے شعور (consciousness) پر وہی اثرات ہوتے ہیں جو منشیات کے ہوتے ہیں۔

ٹی وی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پروگرام دیکھتے ہوئے انسانی ذہن حقیقت سے دور، خواب کی سی کیفیت میں چلا جاتا ہے اور یہ سب بیداری کی حالت میں ہوتا ہے۔یہی کیفیت منشیات بھی جاگتی حالت میں پیدا کرتی ہیں۔

میری ون مطالعہ کتب اور ٹی وی دیکھنے کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے لکھتی ہے:

"کتاب پڑھتے ہوئے انسان کا ذہن جس طرح دوسری دنیا میں چلا جاتا ہے، وہاں سے واپسی نہایت آسان ہوتی ہے۔لیکن ٹی وی کے سفر میں واپسی آسان نہیں ہوتی اس لحاظ سے ٹی وی دیکھنا شراب پینے یا منشیات استعمال کرنے سے بہت مشابہ ہے کہ جب

انسان انھیں شروع کرتا ہے تو نشے کی لت پڑ جانے کی وجہ سے اُس کے لئے رکنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

Marie Winn (2002) *The Plug In Drug*. New York

چنانچہ ٹی وی کی وجہ سے حقیقت سے فرار آسان ہوتا ہے اور حقیقت کی طرف واپسی مشکل ۔ٹی وی اور کمپیوٹر کے استعمال کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُن کی وجہ سے وقت گزرنے کا اندازہ نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح جیسے نشہ کی حالت میں وقت کی رفتار کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔

ٹی وی اور کمپیوٹر کے میڈیکل نقصانات

امریکہ کی بچوں کے ڈاکٹروں کی اکیڈمی (American Academy of Pediatricians) پوری دنیا میں مانی ہوئی آرگنائزیشن ہے ۔1995ء میں AAP جیسے بڑی تنظیم نے پہلی مرتبہ TV کے مواد کے علاوہ TV کے مجموعی نقصانات کا تجزیہ کیا۔ 1995ء میں AAP نے یہ تسلیم کیا کہ امریکی بچوں میں موٹاپے کی بیماری کی بڑی وجہ لگاتار بیٹھ کر ٹی وی دیکھنا ہے ۔AAP نے ڈاکٹروں کو ہدایات دیں کہ وہ والدین کو مشورہ دیں کہ وہ بچوں کے روزانہ ٹی وی دیکھنے کے دورانیے کو ایک گھنٹے سے تجاوز نہ کرنے دیں۔

اگست 1999ء میں AAP نے ایک قدم مزید بڑھایا اور اپنی پالیسی میں لکھا کہ نومولودوں اور بچوں کے دماغوں پر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کو اپنے والدین اور دیگر انسانوں سے direct تعلق قائم کرنے کی شدید ضرورت ہوتی ہے تا کہ اُن کا ذہن نشوونما پا سکے۔ نتیجتاً ڈاکٹروں کی اِس آرگنائزیشن نے نئی گائیڈ لائن کا اجرا کیا:

"Pediatricians should urge parents to avoid

television viewing for children under the age of two years."

(Media Education, Policy Statement (Aug 1999) *Pediatrics*. Vol. 104, no. 2)

''ڈاکٹروں کو چاہئے کہ وہ والدین کو اس بات پر ابھاریں کہ وہ دو سال سے کم عمر بچوں کو ٹی وی نہ دکھائیں۔''

(1) موٹاپا (obesity)

جیسا کہ ابھی بیان ہوا، AAP نے اِس بات کو تسلیم کیا ہے کہ بچوں اور نوجوانوں میں موٹاپے کی ایک وجہ ٹی وی دیکھنا ہے۔ اس کی ایک تو اس لئے کہ بچے ٹی وی دیکھتے ہوئے کوئی فزیکل مشقت نہیں کرتے اور دوسرا بغیر اندازے کے کھاتے ہیں لیکن اس کی زیادہ اہم وجہ وہ ہے جو امریکہ کی Memphis State University کے ایک محقق نے دریافت کی۔ اس نے ٹی وی پروگرام دیکھنے کے دوران بچوں کے metabolic rates کو ناپا اور دریافت کیا، ٹی وی دیکھنے کے دوران بچوں کے جسم کے metabolic rates سونے اور جاگنے کے درمیان میں پہنچ گئے تھے یعنی اگر بچے بیٹھے ہوئے کچھ نہ کر رہے ہوتے تو ان کا نظام انہضام نسبتاً زیادہ تیزی سے کام کر رہا ہوتا۔

(*Tufts University Diet and Nutrition Letters*, June 1992)

(2) ذیابیطس (diabetes)

پوری دنیا میں ذیابیطس کا مرض تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ 1990ء سے 1998ء کے درمیان صرف امریکہ میں اس مرض میں 76 فیصد اضافہ ہوا۔ ایک میڈیکل تحقیق کی رپورٹ کے مطابق ذیابیطس کی بڑھتی ہوئی شرح کی ایک اہم وجہ امریکیوں کے بڑھتے

ہوئے وزن اور اسکی وجہ ہر وقت ٹی وی اور کمپیوٹر سکرین کے سامنے بیٹھا رہنا ہے۔

Gardy, Denise (Aug 24, 2000) "Diabetes Rises; Doctors Foresee a Harsh Impact" *The New York Times*.

(3) نیند کی خرابیاں Sleep disorders

ڈاکٹروں نے ٹی وی دیکھنے کو بچوں کی نیند کی بیماریوں میں ایک اہم وجہ قرار دیا ہے۔

میڈیکل جریدے Pediatrics کے ستمبر 1999ء کے شمارے میں لکھا تھا:

''ڈاکٹروں کو بچوں کے رات کو سونے سے پہلے ٹی وی دیکھنے کے منفی اثرات سے باخبر ہونا چاہیے...... بالخصوص بچوں کے بیڈ روم میں ٹی وی کی موجودگی سکول جانے والے بچوں کی بیماریوں میں اہم حصہ دار ہو سکتی ہے۔''

Owen J., Maxim R. et al (Sept.1999) "Television-viewing Habits and Sleep Disturbance in School Children." *Pediatrics*. vol. 104, No 3. pg. e27.

4) کمر کا درد (lower back pain)

سوئٹزر لینڈ کے سائنسدانوں نے 1994ء میں یہ دریافت کیا تھا کہ بچے جتنا وقت زیادہ ٹی وی دیکھتے ہیں ان کا نچلی کمر کے درد (lower back pain) کا خطرہ اتنا زیادہ ہوتا ہے۔

Balagne,F., Nordin M. et al. (Oct. 1994) "Non-specific low-back pain among school children." *Journal of Spinal Disorders*.

یہ تمام میڈیکل نقصانات ٹی وی کی طرح کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا استعمال کرنے سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ کمپیوٹر میں بے حیائی اور رفتاشی کی مقدار ٹی وی سے بھی زیادہ ہے۔

علم پریکٹس سے حاصل ہوتا ہے، ٹی وی یا کمپیوٹر سے نہیں

جب مغربی ممالک میں خواتین نے کیریئر کی تلاش میں اپنے گھروں کو چھوڑا تو کچھ ہی عرصہ کے بعد ٹی وی کی ایجاد ہوگئی۔ چنانچہ ماؤں نے ٹی وی کو بچوں کے بے بی سٹر (Baby-sitter) کے طور پر استعمال کرنا شروع کردیا پھر اپنے دل میں مامتا سے پیدا ہونے والی خلش کو دور کرنے کے لیے انہوں نے یہ کہہ کر دل کو دلاسہ دینے کی کوشش کی کہ ہم ٹی وی بچوں کو تعلیم دینے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ٹی وی کمپنیوں نے ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا کہ Sesame Street یا Teletubbies سے بچے علم حاصل کرتے ہیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب مغربی ماہرین نفسیات اور عمرانیات نے تحقیقات شروع کیں تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ٹی وی سے بچوں کو تفریح تو دی جاسکتی ہے لیکن علم حاصل نہیں ہوسکتا Sesame Street کی 1969ء میں ٹی وی پر آمد ہوئی اور اس وقت اس پروگرام نے پوری دنیا میں بہت شہرت حاصل کی بالخصوص امریکہ اور یورپ میں ماہر تعلیم خاتون جین ہیلے (Jane M. Healey, Ph.D.) نے اپنی کتاب Endangered Minds میں بچوں کے اس ٹی وی پروگرام کا بہت محققانہ انداز میں پوسٹ مارٹم کیا ہے۔وہ لکھتی ہیں۔ Sesame Street نے اس غلط نظریے کو عام کرنے میں بہت مدد کی ہے کہ سکول جانے سے کم عمر کے بچے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں......چھوٹے بچوں کو گمراہانہ انداز میں سکھانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے وہ چیزیں نہیں سیکھ سکتے جو اصل سیکھنے کی ہیں۔

Healey, Jane M. (1996) Endangered Minds: Why Our Children Don't Think. New York, Touchstone Books

آج Sesame street کی طرح کے بے شمار بچوں کے پروگرام نکل آئے ہیں لیکن نتائج سب کے ایک جیسے ہیں۔

مغربی خاتون محقق ٹینس میک بیتھ ولیمز (Tannis Macbeth Williams) اپنی

کتاب The Impact of Television مطبوعہ فلوریڈا، 1986ء Florida (Academic press) میں لکھتی ہیں:

''ٹی وی کے ٹیچنگ اینڈ فن پروگراموں سے چھوٹے بچے جو انگریزی کے حروفِ تہجی (alphabets) اور گنتی کے اعداد (numbers) سیکھتے ہیں اس کا پہلا مرحلہ تو تفریح ہوتا ہے۔ لیکن اگلا مرحلہ تفریح نہیں ہوتا۔ اس کے لیے شدید پریکٹس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ پریکٹس ٹی وی دیکھنے سے نہیں حاصل ہوتی۔''

امریکی مُحققہ میری ون (Marie Winn) اپنی کتاب The Plug-In Drug (مطبوعہ نیویارک 2002ء) میں رقمطراز ہیں کہ ٹی وی دیکھنے کا عمل ایک قسم کا غیر لفظی بصری تجربہ ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ٹی وی بچوں میں سحر کی کیفیت (trancelike state) پیدا کر دیتا ہے اور اُن کا ذہن مراقبے کی سی کیفیت میں چلا جاتا ہے۔ اس دعوے کو مزید تقویت اس مشاہدے سے ملتی ہے کہ بہت زیادہ متحرک (over-stimlated) بچوں کے لیے ٹی وی ایک چوسنی (pacifying agent) کا کام کرتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ٹی وی دماغ کی کیفیت کو بدل دیتا ہے۔

علم کی یہ خاصیت ہے کہ یہ انسانوں سے حاصل ہوتا ہے، یہ کام مشینیں کرنے سے قاصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کمپیوٹر کو اس کام کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی اساتذہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے، ہم اس کے ساتھ استاد کی صداقت، علمیت اور کیریکٹر کو بھی جانچتے ہیں۔ یہ چیز کمپیوٹر سے حاصل شدہ علم کی صورت میں نہیں ہو سکتی۔ انٹرنیٹ کی علمی شاہراہ (information highway) پر یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ یہ علم کس حد تک مستند (authentic) ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا فَلْيُدَقِّقْ، لِكَيْلَا يَضِيعُ دَقِيقَ الْعِلْم .

(بحوالہ: الانساب المتفقه: ابن طاہر المقدسی، صفحہ 3)

ترجمہ: ''تم جو بھی علم سیکھنا چاہو تو اس کو اچھی طرح چھان پھٹک کر حاصل کرو تا کہ علم کی روح (خلاصہ) ضائع نہ ہو۔''

یہ علم کی نیچر ہے کہ اگر اُسے چھان پھٹک کر نہ حاصل کیا جائے اور اگر اسے انسانی استاد سے نہ حاصل کیا جائے تو شاید علم تو حاصل ہو جائے لیکن اُس علم کی روح ضائع ہو جاتی ہے ۔کمپیوٹر جیسی مشینیں کثرت معلومات تو مہیا کر سکتی ہیں لیکن وہ اخلاقیات، آداب اور انسانیت نہیں سکھاتیں جو صرف علم کے نور سے حاصل ہوتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا تھا:

لَيْسَ الْعِلْمَ كَثْرَتُ الرِّوَايَاتِ وَلٰكِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ قَذَفَهُ اللّٰهُ بِقَلْبِ الْمُؤْمِنْ.

''علم صرف معلومات کی کثرت نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈالتا ہے۔''

ٹی وی اور کمپیوٹر بمقابلہ کتابیں پڑھنا

(Tv & computer versue reading)

کتاب پڑھتے ہوئے جو عکس (images) ہمارے ذہن میں بنتے ہیں ان میں اور ٹی وی پر دیکھے گئے images میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ ریڈنگ کرتے ہوئے ہمارے ذہن میں جو Images بنتے ہیں وہ ہمارے اپنے تجربات (experiences) کی بنیاد پر ہوتے ہیں ۔ جب ہم کتابیں پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ایک طرح سے ہمارا ذہن اپنے اندر ایک چھوٹا سا ٹی وی پروگرام بناتا ہے۔ نتیجتاً یہ ہمارے تصور کرنے کی صلاحیت (imagination) کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتا ہے ۔جیسا کہ ماہر نفسیات پروفیسر پچل

ہیم (Bruno Bettelheim) نے کہا تھا۔

"TV captures the imagination but does not liberate it. A good book at once stimulates and frees the mind."

(Bettleheim, Bruno (Nov. 1963) Parents vs Television. Red Books.)

"ٹی وی فکر کو مغلوب تو کر لیتا ہے لیکن پھر اُسے آزاد نہیں کرتا۔ اسکے برعکس ایک اچھی کتاب بیک وقت ذہن کو متحرک بھی کرتی ہے اور آزاد بھی کرتی ہے۔"

عمرانی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ بچوں کو ٹی وی کمپیوٹر مہیا ہو تو وہ کتابیں بہت کم پڑھتے ہیں۔ جب بچے کے پاس کچھ کرنے کو نہ ہو تو اس بات کے زیادہ امکانات ہیں کہ وہ ٹی وی یا کمپیوٹر کا بٹن آن کر دے گا۔ بہ نسبت اس بات کے کہ وہ کوئی کتاب اٹھا کر پڑھنا شروع کر دے کیونکہ ٹی وی یا کمپیوٹر کو دیکھنے میں فطری طور پر مشقت کم لگتی ہے۔ امریکی رسالے Reading world کے 1974ء کے شمارے میں پیش کئے گئے سروے کے مطابق، جو چوتھی اور پانچویں جماعت کے 500 طالبعلموں پر کیا گیا تھا۔ تمام بچوں نے بتایا کہ انہیں کسی قسم کی کتاب پڑھنے کی بجائے ٹی وی دیکھنا زیادہ پسند ہے۔

Freely, J. (1974) "Internet and media preference of middle grade children." *Reading World*.

اسی طرح کیلیفورنیا کے محکمہ تعلیم نے 1980ء میں ایک پول کے نتائج شائع کئے جسکے مطابق چھٹی جماعت کے 233,000 (دو لاکھ تینتیس ہزار) طالبعلموں میں سے 70 فیصد نے بتایا کہ وہ کبھی بھی شوق سے کتابیں نہیں پڑھتے۔ تاہم اسی پول میں 70 فیصد طالبعلموں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ روزانہ 4 گھنٹے یا زیادہ ٹی وی دیکھتے ہیں۔

Student Achievement in California Schools, 1979-80 *Annual Report CSDE*, Sacrameuto, CA, 1980

مزید برآں، 5 مئی 1992ء میں دی نیو یارک ٹائمز میں شائع ہونے والی ایک گورنمنٹ رپورٹ کے مطابق امریکہ کے آٹھویں اور دسویں جماعت کے طالبعلموں کی ایک تہائی (33%) تعداد روزانہ سکول کے لیے 5 سے کم صفحات کا مطالعہ کرتی ہے۔ جبکہ اِن طالبعلموں میں سے دو تہائی (66%) روزانہ 3 گھنٹے سے زیادہ ٹی وی دیکھتے ہیں۔ جو طالبعلم روزانہ 2 گھنٹے سے کم ٹی وی دیکھتے ہیں اُن کے امتحانات میں واضح طور پر ٹی وی زیادہ دیکھنے والے بچوں کے مقابلے میں اعلیٰ نمبر آئے ہیں۔

"Bush says your school children watch too much TV" (May 5, 1992). The New York Times.

یاد رہے کہ اپنے اثرات کے لحاظ سے ٹی وی اور کمپیوٹر میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا کہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے نقصانات کی لسٹ ٹی وی سے پچاس گنا لمبی ہے۔

ریڈنگ کے فوائد

ریڈنگ یعنی کتابیں پڑھنے کے بے شمار فوائد ہیں۔ رسول کریم ﷺ پر پہلی وحی کے الفاظ ''اقراء'' تھے یعنی پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ''اُنظر''۔۔۔ ''دیکھئے۔'' اسی لیے علم کتابوں کو پڑھنے (اِقرا) سے آتا ہے۔ ٹی وی یا کمپیوٹر سکرین کو دیکھنے (اُنظر) سے نہیں حاصل ہوتا۔ ہر تہذیب کی بنیاد کوئی کتاب ہوتی ہے۔ یونانی تہذیب کی بنیاد ہومر (Homer) کی کہانیاں ''Illiad'' اور "Odyssey" تھیں۔ یہودی تہذیب کی بنیاد تورات (Torah) اور عیسائی تہذیب کی بنیاد بائبل۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد قرآن ہے جو کہ الکتاب ہے۔

﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ (سورة البقره)

(یہ ایسی کتاب میں جس میں کوئی شک نہیں)

برطانوی مفکر راجر بیکن نے مسلمانوں کی اسلامی یونیورسٹیوں سے استفادہ کیا تھا، اس لیے اُس کو پڑھنے کی اہمیت کا علم تھا۔اُس کا قول ہے:

"Reading makes a full man."

''ریڈنگ انسان کی شخصیت کو مکمل بناتی ہے۔''

کُتب بینی بچوں کی تعلیم میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔امریکی محقق خاتون میری ون (Marie Winn) کتب بینی کے فوائد کے متعلق بیان کرتی ہیں:

''ریڈنگ انسان کی توجہ مرکوز کرنے کی صلاحیتوں کو نکھارتی ہے۔تصور کرنے کی صلاحیت کو جلا بخشتی ہے اور انسان کی سمجھ بوجھ کی صلاحیت (Comprehension) کو مضبوط بناتی ہے۔ریڈنگ انسان پر حاوی ہو جاتی ہے لیکن اُسے بینا ناٹز نہیں کرتی یا انسانی ذمہ داریوں سے دُور نہیں بھگاتی۔کتابیں انسان کے کنٹرول میں ہوتی ہیں جبکہ ٹی وی یا کمپیوٹر انسان کو کنٹرول کرتا ہے۔''

Winn, Marie (2002) The Plug-In Drug, Penguin Books, New York

بچوں میں ریڈنگ کا شوق پیدا کرنے میں والدین کا کردار نہایت اہم ہے۔ایک مغربی ماہر تعلیم نے والدین کو اس سلسلے میں درج ذیل نصیحت کی:

''مستقبل کے کتابیں پڑھنے والے بچوں (future readers) کو اُن کے ماں اور باپ تیار کرتے ہیں جو اُن بچوں کو ان کے ایام طفولیت میں کتابیں پڑھ کر سناتے ہیں دن کے خاموش اوقات میں اور رات کو بچوں کے بستر کے سرہانے بیٹھ کر۔تب ہی کتاب بچوں کی زندگی کا حصہ بنتی ہے۔

"Can TV lead children to reading?" *The New York Times*, June 29, 1980

اگر ہم اپنی اسلامی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ہمارے عظیم مسلمان علماء کی کتابوں سے محبت فقید المثال نظر آتی ہے۔ حدیث کے امام مسلم ایک مرتبہ اپنی کتابیں پڑھنے میں اتنے غرق تھے کہ انہوں نے کھجوروں کا پورا ٹوکرہ کھالیا جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ امام نووی ؒ کا بچپن میں یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اُن کے ہم عمر بچے انہیں اپنے ساتھ کھیل کے لیے زبردستی بلا رہے تھے اور امام نووی ؒ ہاتھ میں کتاب پکڑے اُن بچوں سے جان چھڑانے کے لیے بار بار کہہ رہے تھے۔

مَاخُلِقْتُ لِیْ ھٰذَا۔

(مجھے اللہ نے اس کام (کھیل کود) کے لیے نہیں پیدا کیا)

امام غزالی ؒ کو کتابوں سے اتنی محبت تھی کہ موت کے وقت صحیح بخاری اُن کے سینے پر رکھی ہوئی تھی۔

مَاتَ وَالْبُخَارِی عَلٰی صَدْرِہٖ۔

عصر حاضر کے محقق ڈاکٹر حمید اللہ کے گھر میں یہ عالم تھا کہ فرانس میں ان کی قیام گاہ میں نہ صرف ڈرائنگ روم اور بیڈ روم میں ہر طرف کتابیں بکھری پڑی ہوتی تھیں بلکہ کچن میں بھی ہر طرف کتابیں کھلی پڑی ہوتی تھیں۔ کچھ یہی نقشہ میرے شیخ نے عصر حاضر کے محدث شیخ ناصر الدین البانی کے مطالعے کے کمرے کا بیان کیا ہے جہاں چاروں طرف کتب احادیث بکھری پڑی ہوتی تھیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ؒ نے اپنے کتابیں پڑھنے کے شوق کے متعلق فرمایا تھا:
''میں کتابوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر میرا بس چلے تو میں اپنی قبر میں بھی اینٹوں

کی جگہ کتابیں چنوا دوں۔"

الیکٹرونکس کے سیلاب نے بچوں اور نوجوانوں کی علمی کارکردگی کو ہر میدان میں متاثر کیا ہے۔ہم پرانے دور کے علمائے اسلام کی سوانح عمریوں میں دیکھتے ہیں کہ امام بخاری، امام نووی، حافظ جلال الدین سیوطی، امام غزالی، امام شافعی وغیرہ کے بے مثل حافظے تھے۔ جبکہ آجکل کے بچوں اور نوجوانوں کی قوتِ تصور (imagination) ٹی وی دیکھنے کی وجہ سے کمزور ہے۔چنانچہ ان کے حافظے بھی کمزور ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ ٹی وی دیکھنے والے بچوں اور نوجوانوں کی نیند پوری نہیں ہوتی جسکی وجہ سے سکول میں پڑھائی پر وہ اپنی توجہ مرکوز نہیں کر سکتے۔نیند کی کمی کے علاوہ بچے کلاس میں بیٹھے ہوئے ٹی وی پروگراموں کی دنیا میں کھوئے ہوئے ہوتے ہیں۔نتیجتاً اُن کی علمی کارکردگی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔فرانس کے ایک ایلیمنٹری سکول کے ٹیچر نے وہ دور دیکھا تھا جب ہر بچے کے گھر میں ٹی وی نہیں ہوا کرتا تھا۔اُس نے اپنا مشاہدہ بیان کیا:

" I can tell children with TV at home from those who haven't because those without it are far more receptive in the morning."

"French schoolchildren found to eat little and work too much." *The New york Tmes,* Oct 27, 1976

"میں ایسے بچوں کے درمیان فرق کر سکتا ہوں جن کے گھر ٹی وی موجود ہے۔اور جن کے گھر ٹی وی نہیں کیونکہ ایسے بچے جن کے گھر ٹی وی نہیں وہ صبح استاد کی بات کئی گنا زیادہ غور سے سنتے ہیں۔"

کمپیوٹر اور پڑھائی

پچھلے دس سالوں میں پوری دنیا میں کمپیوٹر تیزی سے سکولوں میں عام ہوا ہے، پاکستان میں کم از کم انگریزی میڈیم سکولوں میں کمپیوٹر کا استعمال بچوں کو سکھایا جاتا ہے۔ اور اس طرح سے والدین کو اسکول کے اعلیٰ ہونے کا یقین دلایا جاتا ہے۔

حالانکہ سائنسدانوں کو ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ کلاس میں کمپیوٹر کی موجودگی سے طالبعلموں کی علمی کارکردگی میں کوئی اضافہ ہوا ہو۔ ہاں البتہ بچپن اور پرائمری تعلیم کے دوران کمپیوٹر کے منفی اثرات کے متعلق اب سائنسی منظر عام پر آ رہی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ہائی سکولوں کالجوں اور ہاسٹلز میں جہاں کمپیوٹر کو ایک ریسرچ کے آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ وہاں بھی کمپیوٹر کی موجودگی جتنا فائدہ دیتی ہے اتنا ہی تعلیمی عمل میں رکاوٹ کا باعث بھی بنتی ہے۔

اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ کمپیوٹر علمی کارکردگی کو بہتر نہیں بناتا؟ امریکی حکومت کے ادارے NAEP (National Assessment of Educatonal progress) کے امتحانی نتائج اور سروے کے مطابق 1971ء سے 1996ء کے درمیان سکول طالبعلموں کی تعلیمی کارکردگی میں کوئی واضح بہتری ظاہر نہیں ہوئی اور یہی وہ مدت ہے جس میں امریکہ کے سکولوں میں کمپیوٹرز سیلاب کی طرح پھیلے ہیں۔

مزید برآں مضمون نگاری کے امتحانات (writing performance) میں 1984ء سے 1996ء تک طلباء کی کارکردگی یکساں رہی۔

U.S. Dept. of Education, The NAEP 1998 Writing Report
for the nation and the states, Washington, D.C. 1999

طالبعلموں کے مضمون نگاری اور تحریر میں کمپیوٹر کے استعمال کے متعلق NAEP کے ایک حالیہ سروے میں منفی ثبوت سامنے آیا ہے۔ چوتھی (4th) اور آٹھویں (8th)

جماعت کے طالبعلم جو کہانیاں لکھنے یا رپورٹس تیار کرنے کے لیے کمپیوٹر کا استعمال بہت کم کرتے ہیں (مہینے میں صرف ایک بار) انہوں نے ایسے طالبعلموں کے مقابلے میں جو کمپیوٹر کا استعمال اکثر کرتے ہیں، کئی گنا زیادہ نمبر حاصل کیئے (بحوالہ۔ایضاً)

2000ء میں واشنگٹن ڈی سی کے ایک روایت پسند تھنک ٹینک ہیری ٹیج فاؤنڈیشن (Heritage Foundation) نے 1998ء کے NAEP کے امتحانی نتائج کا تجزیہ (Statistical analysis) کیا تا کہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ کیا کلاس روم میں کمپیوٹر کے استعمال سے طلباء کی عملی کارکردگی پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں یا نہیں۔فاؤنڈیشن نے اپنی رپورٹ میں درج ذیل خلاصہ پیش کیا:

''جیسا کہ اس تجزیے سے پتہ چلتا ہے، کلاس رومز میں کمپیوٹر کے استعمال سے طلباء کی پڑھنے کی صلاحیت (reading ability) میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا۔''

چنانچہ حکومت کو اسکولوں کے لیے کمپیوٹر ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر خریدنے اور اساتذہ کو کمپیوٹر پڑھانے کے لیے ٹریننگ دینے پر اپنا قیمتی سرمایہ اور ڈالرز خرچ نہیں کرنے چاہئیں بلکہ فائدہ مند تعلیمی اخراجات پر پیسہ لگانا چاہیے مثلاً نئی کتابیں، صنعتی اور حرفتی تعلیم اور آرٹ ایجوکیشن وغیرہ۔

یہ رپورٹ یہ نہیں کہتی کہ کمپیوٹرز کی کلاس روم میں کوئی جگہ نہیں لیکن یہ ضرور ثابت کرتی ہے کہ کمپیوٹرز کا استعمال طالبعلموں کی علمی کارکردگی اور خواندگی کو کوئی خاص فائدہ نہیں دیتا۔

Kirk A. Johnson (2000) "Do Computers in the Classroom Boost Academic Achievement? A Report of the Heritage Center for Data Analysis". The Heritage Foundation, Washingtion D.C.

بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ آجکل کی ماڈرن معاشرے(Hi-tech society) میں بچوں کو ابتداء ہی سے کمپیوٹر سکھا دینا چاہیے۔ لیکن ضرورت تو بہت سی چیزوں کی ہے۔ ڈرائیونگ کرنا مردوں کے لیے بہت اہم ہے۔ کیا ہم پانچویں یا چھٹی جماعت کے لڑکوں کو گاڑی کے سٹیرنگ پر بٹھادیں یہ دلیل دے کر کہ بڑے ہو کر ان لڑکوں نے ڈرائیونگ کرنی ہے۔ آخر آجکل اونٹوں گدھوں کا دور تو نہیں۔ اسی طرح نوجوانوں (جن کے اندر جنسی ہارمونز اپنا جوش مار رہے ہوتے ہیں) اور بچوں کے کمپیوٹر سیکھنے کے متعلق والدین کو زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ چند سال قبل امریکی اخبار نیو یارک ٹائمز کو ایک مکتوب میں ایک کمپیوٹر پروگرامر نے اس مسئلے پر لکھا تھا:

> ''میں نے 36 برس کی عمر میں 1970ء کی دھائی میں اپنے بل بوتے پر خود ہی کمپیوٹر پروگرامنگ سیکھی۔ کمپیوٹر سیکھنے کے لیے صرف پڑھا لکھا ہونا اور شوق کی ضرورت ہوتی ہے۔
>
> میں نے 1940ء سے 1960ء تک جو تعلیم حاصل کی، اُس نے مجھے کمپیوٹر کے انقلاب کے لیے آج کے بچوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر طور پر تیار کیا تھا۔ میں نے اپنی نوجوانی کے دور میں کمپیوٹر کے سامنے ایک منٹ بھی صرف نہیں کیا۔ اگر بچوں اور نوجوانوں کو کتاب بینی، مضمون نگاری، ریاضی اور باقی مضامین پڑھائے جائیں تو مستقبل میں کمپیوٹر کا استعمال سیکھنا اُن کے لیے مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔''

Davis, Dave (Mach 8, 1992) *Letter to the Editor* , The New York Times.

بچے اور نوجوان انٹرنیٹ سے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے شرافات اور معاشقے کرتے ہیں۔ اسکولوں میں جہاں کمپیوٹر کا استعمال شروع کروایا گیا، وہاں اساتذہ ابتداء میں بچوں کے کمپیوٹر کی سکرین پر مسلسل بیٹھنے کی وجہ سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بچہ علم حاصل کر رہا ہے لیکن جلد ہی اُن پر انکشاف ہوتا ہے کہ بچہ دراصل انٹرنیٹ پر آوارہ گردی

کر رہا ہے۔ یا چیٹنگ یا ای میل بھیج رہا ہے۔ جب امتحان ہوتے ہیں تو اُن بچوں کی علمی کارکردگی پہلے سے بھی بدتر ہو کر سامنے آتی ہے۔

امریکی ریاست نیو یارک کے شہر البانی (Albany) کی ایک سکول ٹیچر جس کا 30 سال کا تجربہ ہے اور وہ کمپیوٹر کے استعمال کی بڑی مداح ہے لیکن آہستہ آہستہ اُس کے سامنے اس سے متعلق مسائل آ رہے ہیں، اُس نے ٹی وی اور کمپیوٹر کا موازنہ کرتے ہوئے اپنے شاگردوں سے متعلق بتایا:

"آج کے بچے بات کو غور سے کیوں نہیں سنتے۔ میرے خیال میں ٹی وی دیکھنے کا اس سے تعلق ہے اور ہوسکتا ہے کہ ٹی وی اور کمپیوٹر دونوں کا اس میں ہاتھ ہو۔ آخر کمپیوٹر بھی تو بہت حد تک ٹی وی کی طرح ہی ہے۔

آج کے بچے جسمانی لحاظ سے بالکل فٹ نہیں ہیں۔ دراصل اُن میں سے بعض کمپیوٹر کے آگے ہر وقت بیٹھے رہنے والے آلو (Computer potatoes) بن چکے ہیں کیونکہ یہ گھر جا کر 4 گھنٹے تک کمپیوٹر پر سکول کا کام کرتے رہتے ہیں۔ اور ان طلباء میں سے بعض کو کمپیوٹر گیمز کا نشہ لگ چکا ہے۔

لیکن میں آپ کو بتاتی ہوں کہ والدین نے اس بات کو ممکن بنایا ہے۔ ٹی وی کی طرح کمپیوٹر اور ویڈیو گیمز بھی بے بی سٹرز کی طرح ہیں۔ بچوں کو سر سے اتارنے کے لیے والدین انہیں ٹی وی یا کمپیوٹر کے سامنے بٹھا دیتے ہیں۔"

Winn, Marie (2002) *The Plug-In Drug*. Penguin Books, New York.

باب 6

تربیت اولاد کے متعلق والدین کو چند مشورے

بچوں کی تربیت کے متعلق علیؓ بن ابی طالب کا ایک بہت خوبصورت شعر ہے:

حَرِّضْ بَنِیْکَ عَلَی الآدَابِ فِی الصِغْرِ

کَیْمَا تَقَرَّ بِهِمْ عَیْنَاکَ فِی الْکِبْرِ

''اپنے بچوں کو انکے بچپن میں اچھے آداب سکھاؤ تا کہ تمہارے بڑھاپے میں وہ (اپنے اچھے آداب سے) تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر سکیں۔''

(بحوالہ: شاکر محمود، ترغیب والترهیب فی شعر صدر الاسلام، مطبوعہ مصر)

والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو اچھے آداب سکھائیں لیکن افسوس کہ آج کے دجالی دور میں اکثر والدین اپنا وقت بیکار کی مصروفیات میں ضائع کر دیتے ہیں۔ مرد

حضرات ٹی وی پر خبریں دیکھنے کے بہانے ٹی وی کھولتے ہیں پھر ٹی وی رات 12 بجے ہی بند ہوتا ہے۔ کئی خواتین اپنا قیمتی وقت بازاروں میں شاپنگ میں ضائع کر دیتی ہیں۔ جو خواتین بازاروں میں خوار نہیں ہوتیں، وہ فون پر اپنا وقت اس حد تک ضائع کر دیتی ہیں کہ بچوں پر صرف کرنے کے لئے اُن کے پاس وقت ہی نہیں بچتا۔ نتیجتاً والدین یا تو بچوں کو سکول کے علاوہ باقی سارا وقت گلی میں کھیلنے کے لیئے چھوڑ کر انہیں بھول جاتے ہیں یا پھر بچوں کو ٹی وی کی صورت میں بے بی سٹر (baby-sitter) مہیا کر دیتے ہیں۔ والدین کا بچوں کو صرف حق بات کی نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ والدین کو خود بھی اسلام پر عمل کر کے بچوں کو ایک عملی نمونہ (Practical Example) پیش کرنا چاہیئے کیونکہ والدین کے قول و فعل میں تضاد کو دیکھ کر بچوں پر والدین کی لفظی نصیحتیں کچھ اثر نہیں کرتیں۔

بچوں کو اسلامی علم دینے کے ساتھ انکا تزکیہ بہت ضروری ہے۔ بچوں میں ایمان کی آبیاری کرنے کے لئے:

(1) قرآن سے انکا تعلق پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔

(2) پھر صالحین کی صحبت بھی ایمان کو بڑھاتی ہے۔

(3) آخرت کا ذکر بھی ایمان کو بڑھاتا ہے۔

(4) بچوں اور نوجوانوں کو قرآن و حدیث سے اسلامی حکایات اور قصے سنانے چاہئیں۔

(5) اسکے علاوہ صحابہ کرامؓ اور آئمہ کرام کی زندگیوں کا ذکر ہمیں نوجوانوں کے سامنے کرنا چاہیئے۔

(6) مسلم سوشیالوجسٹ مالک بن نبی نے کہا تھا کہ قرآن نے اُمتِ مسلمہ کے شعور (conscience) کو ''وعد'' اور ''وعید'' کے درمیان رکھ دیا ہے یعنی جنت کا وعدہ اور جہنم کی وعید۔ (بحوالہ: میلاد مجتمع از ملک بن نبی مطبوعہ مصر، 1962ء)

والدین کو چاہیے کہ نوجوان بیٹوں اور بیٹیوں کے ایمان مضبوط کرنے کے لئے انہیں قرآن و

حدیث سے جنت کی لامتناہی نعمتوں کے متعلق بتائیں اور جہنم کی ہولناکیوں سے ڈرائیں۔ یہ چیز نوجوانوں کو نیک کاموں کی ترغیب اور برے کاموں کی ترہیب دے گی۔ پس والدین کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آج وہ جو کچھ بوئیں گے کل وہی کاٹیں گے۔

انسانی دماغ کی تین شعوری حالتیں

انسانی دماغ کو اپنے وظائف (Functions) کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1) R-brain یہ بنیادی دماغ ہوتا ہے جو انسانوں کے علاوہ جانوروں حتیٰ کہ رینگنے والے جانور (Reptiles) میں بھی پایا جاتا ہے۔ دماغ کا حصہ فوری ردِعمل کے کام آتا ہے۔

2) Limbic brain اس حصے کو Emotional بھی کہتے ہیں۔ تمام جذبات کا مرقع دماغ کا یہ حصہ یعنی (Feeling brain) ہوتا ہے۔ انسانوں کے علاوہ ممالیہ جانوروں (mammals) میں بھی یہ دماغ ہوتا ہے۔

3) Neocortex یہ دماغ کا سب سے اعلیٰ وارفع حصہ ہوتا ہے۔ یہ بقیہ دونوں دماغی حصوں سے تقریباً 5 گنا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ یہ دماغ اللہ تعالیٰ نے صرف اشرف المخلوقات یعنی انسان کو عطا فرمایا ہے Neocortex انسان کی پیشانی کے پیچھے واقع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو اپنے خالق حقیقی کے آگے اسی دماغ کو سجدہ کر کے جھکانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس دماغ کی وجہ سے انسان دنیا کی تمام دوسری مخلوقات پر حکمرانی کرتا ہے۔ اسی اعلیٰ دماغ (Neocortex) کی بدولت انسان تخلیقی ایجادات (creative inventions) کرتا ہے۔ حساب کتاب کرتا ہے۔ علوم وفنون کے شہ پارے تخلیق کرتا ہے، اور اگر اُس کی صحیح تربیت ہوئی ہو تو انسانوں سے ہمدردی اور

خدمت خلق کرتا ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ عبادت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

دماغ کے اسی اعلیٰ حصے کی وجہ سے انسان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ ایسے انجام کار کا سوچ سکتا ہے۔امریکی ماہر عمرانیات ارنسٹ بیکر(Ernest Becker)نے اپنی پیولٹزر پرائز یافتہ کتاب The Denial of Death(مطبوعہ نیویارک) میں یہ بیان کیا تھا کہ انسان اپنی تمام عمر اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ اُس نے کبھی نہیں مرنا حالانکہ زمین پر تمام مخلوقات (یعنی چرند پرند وغیرہ) میں انسان وہ واحد مخلوق ہے جس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ سوچ سکے کہ ایک دن اُس نے فنا ہو جانا ہے۔اور اس کے جسم کو مٹی میں کیڑے مکوڑوں نے کھانا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ انسانی دماغ کی طرح انسانی شعور(Conscious) کی بھی تین حالتیں ہیں۔

☆ جاگنا
☆ خواب
☆ نیند

جب بچہ 7 سال کی عمر کو پار کرتا ہے تو وہ خوابوں کی دنیا سے حقیقی دنیا کی طرف آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ 7 سال کی عمر سے بچوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق نماز سکھانے کی تلقین کی گئی ہے۔دراصل سات برس کی عمر کے بعد بچے کو وقت(Time) کی سمجھ آنی شروع ہو جاتی ہے۔مزید برآں، بچوں کے حفظ قرآن کی ابتداء بھی سات سال کی عمر سے پہلے نہیں کرنی چاہیے کیونکہ سات سال سے پہلے بچوں کے ذہن حفظ کے لیے حاضر نہیں ہوتے۔

اخوھم بسبع:

علی ابن ابی طالبؓ نے فرمایا تھا

لعبوھم بسبع وادبوھم بسبع واخوھم بسبع۔

''تم لوگ اپنے بچوں سے پہلے سات سال کی عمر تک کھیلو۔ پھر سات سے چودہ برس کی عمر تک اُن کو آداب (اصول وضوابط) سکھاؤ اور چودہ سے اکیس برس کی عمر تک اُن کو اپنا بھائی بناؤ۔''

جب نوجوان بلوغت کے دور میں داخل ہوتے ہیں (یعنی تقریباً 14 برس کی عمر میں) تو لڑکیاں زمانہ ہارمونز کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہیں جبکہ لڑکوں میں مردانہ ہارمون Testosterone کی کثیر مقدار کی وجہ سے گروپ میں شامل ہونے (Group affiliation) کی شدید خواہش پیدا ہوتی ہے۔ عمر کے اِس دور کے متعلق امریکی مفکر جوزف چلٹن پیئرس اپنی کتاب The Evolution's End (مطبوعہ نیویارک 1992ء) میں لکھتا ہے۔

''نوجوانوں میں کسی گروپ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرنے کی شدید نفسیاتی احتیاج (biological need) ہوتی ہے۔گیارہ برس کی عمر کے بعد نوجوانوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے گھونسلے کو چھوڑ کر معاشرے میں مدغم ہو جائیں۔''

اِس عمر میں نوجوانوں کو اگر بری صحبت مل جائے تو وہ بڑی تیزی سے اس کا اثر قبول کرتے ہیں۔اس لیے علیؓ ابن ابی طالب نے نصیحت فرمائی کہ جب نوجوان بالغ ہو جائے تو والدین کو چاہیے کہ انہیں اپنے اعتماد میں لیں اور ان کے ساتھ بھائیوں کی طرح پیش آئیں۔چنانچہ '' اخوھم بسبع '' میں یہ درس دیکر کہ اپنے teenagers کو اپنا بھائی بناؤ، دراصل اسلام نے نوجوانوں کے کلچر (teenage culture) کی بیخ کنی کر دی۔

ڈاکٹر ڈینیل ایکف (Daniel S. Acuff) امریکہ کی Youth Market System Consulting کمپنی کے پریذیڈنٹ ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب ''What kids buy and why?'' (مطبوعہ نیویارک ۱۹۹۷ء) میں بچوں اور نوجوانوں پر ایک مارکیٹ میں بکنے والی شے (comodity) کے طور پر ریسرچ کی ہے اور تاجروں کو نوجوانوں کے رجحانات کے متعلق بتایا ہے۔

ڈاکٹر ایکف نے تاجروں کو مشورہ دیا ہے کہ ۸ سے ۱۲ سال کے بچوں میں بالخصوص ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز کا شدید رجحان پایا جاتا ہے، اس لئے انھیں اِس عمر کے بچوں کو اشتہارات میں مدنظر رکھنا چاہیے۔

ڈاکٹر ایکف کے مطابق چودہ سال کی عمر کے لگ بھگ (جو کہ بلوغت کا دور ہوتا ہے) نوجوانوں میں اپنی منفرد شناخت بنانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اِس وجہ سے اُن میں مزاج کی فوری تبدیلیاں (sudden mood swings) اور والدین سے فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر ایکف کے مطابق:

"It is a time when peers play on enormous role in decision making, even overshadowing many parents."

"یہ نوجوانوں کی عمر کا ایسا دور ہوتا ہے جب دوست یار اُن کے فیصلوں پر شدید حد تک اثر انداز ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اکثر والدین کے اثرات کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں"۔

یہی بلوغت کی وہ عمر ہوتی ہے جب انسان کا ذہن اپنی نشو ونما کی منازل مکمل کر چکا ہوتا ہے اور اب وہ ہر قسم کے مسائل کو تصور (imagine) کر سکتا ہے بالخصوص abstract تصور چونکہ اللہ کی توحید کا تصور abstract ہے، اس لئے ایمان کا دارو مدار بلوغت کے بعد پر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ڈینیل ایکف کے مطابق ۱۶ برس کی عمر میں نوجوانوں میں اخلاقی حس اور حق وباطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت اپنی تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اب وہ اپنے دماغ

کے Prefrontal lobe (جسے قرآن نے ناصیہ قرار دیا ہے) کو نیکی اور بدی کے کاموں میں فرق کرنے کے لئے اچھی طرح استعمال کرسکتے ہیں۔

صرف بچوں کے ایک کھلونے باربی گڑیا (Barbie doll) ہی کو لے لیں۔ باربی گڑیا کو بنانے والی کمپنی Mattle Inc. کی ہر سال کی فروخت سے جو سالانہ پیسہ آتا ہے وہ ایک بلین امریکی ڈالرز سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔امریکی مفکر جوزف پیئرس کے مطابق ٹی وی نے بچوں میں جنسی بے راہ روی عام کرنے میں سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ٹی وی پر ڈراموں اور فلموں میں وہی مرد اور عورت کی ازلی کشمکش دکھائی جاتی ہے اور اشتہارات کی صنعت کا تو بھاری انحصار عورت کے جنسی استحصال پر ہے۔یہی آئیڈیالوجی بچوں پر بھی ٹھونسی جاتی ہے۔بچیاں اور لڑکیاں ماضی میں چھوٹی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں لیکن ٹی وی نے بچوں میں بے شرم قسم کی باربی گڑیا کو بھرپور طریقے سے عام کیا۔جوزف پیئرس کے مطابق اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔چھوٹی بچیوں کو اپنی کھیلوں میں ماؤں کے کردار کی نقالی نہیں کرنی چاہیے بلکہ باربی گڑیا کی طرح مستقبل میں معاشرے کے لیے ایک جنسی شے بننے کو آئیڈیل بنانا چاہیے جیسا کہ ٹی وی کی سکرین پر عورت کا رول ہوتا ہے۔

Pearce, Joseph Chilton (1998) *The Evolution's End*. Harper San Francisco.

بچوں کو دجالی میڈیا سے بچانے کے مشورے

امریکہ کی خاتون محقق میری ون(Marie Winn) نے اپنی کتاب The Plug-in Drug میں گھر میں ٹی وی دیکھنے کو کم کرنے کے لیے بعض مفید مشورے دیئے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(1) قدیم ٹی وی سیٹ یا نیا فلیٹ سکرین ٹی وی؟

اگر آپ کے گھر میں قدیم ٹی وی سیٹ ہے تو آپ نیا فلیٹ سکرین ٹی وی

(Flat-screen TV) مت خریدیں۔ پرانا ٹی وی اور اُس کی کمتر تصویر کی کوالٹی کی وجہ سے بچے آہستہ آہستہ ٹی وی سے خود ہی متنفر ہو جائیں گے۔ یہی حال کمپیوٹر کا ہے۔ ہم جتنا تیز انٹرنیٹ کنکشن حاصل کریں گے بچے اتنا ہی زیادہ تیزی سے انٹرنیٹ پر بہت سی Windows کھول کر فحاشی کا نظارہ کر سکیں گے، اس لیے انٹرنیٹ کے آہستہ (Slow) کنکشن کو رحمت سمجھیں۔

(2) ٹی وی اور کمپیوٹر کو گھر میں کہاں رکھا جائے؟

میری ویِن والدین کو مشورہ دیتی ہیں کہ وہ ٹی وی اور کمپیوٹر کو لونگ روم (Living room) میں رکھیں، جہاں تمام فیملی کے لوگ آ کر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح سے بچے اپنی مرضی کے چینل نہیں دیکھ سکیں گے کیونکہ گھر کے بڑے وہاں موجود ہونگے۔ بچے انٹرنیٹ کے استعمال میں بھی محتاط ہونگے کیونکہ انہیں خوف ہوگا کہ کوئی بڑا اُن کی انٹرنیٹ کی کاروائی کو کسی بھی وقت پیچھے سے آ کر دیکھ سکتا ہے۔ مزید برآں ٹی وی کو اوپر کی منزل میں کسی بیڈ روم میں رکھنا بھی بچوں کے اندر کے شیطان کو گناہ کی دعوت دینے کے مترادف ہے۔

(3) گھر میں کتنے ٹی وی سیٹ ہونے چاہئیں؟

والدین بچوں کے ٹی وی دیکھنے کو کس حد تک کنٹرول کر سکتے ہیں۔ یہ اس بات پر منحصر ہے کہ گھر میں کتنے ٹی وی سیٹ موجود ہیں۔ ایک عمرانی سائنسی تحقیق جو Journal of Broadcasting کے 1980 کے شمارے میں چھپی، کے مطابق والدین کے بچوں کے ٹی وی دیکھنے کے کنٹرول (Parental TV Control) پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں سب سے اہم عنصر (crucial family variable) یہ تھا کہ گھر میں کتنے ٹی وی سیٹ موجود ہیں۔ تحقیق میں یہ دریافت ہوا تھا کہ گھر میں جتنے زیادہ ٹی وی سیٹ موجود تھے والدین کا بچوں کے ٹی وی پر کنٹرول اتنا ہی کم تھا۔

"Factors Gross, Lynne S. and Walsh, R. (Summer 1980)

affecting parental control over children's television viewing: A pilot stuty" Journal of Broadcasting.

اِس تحقیق کے محققین نے والدین کو یہ مشورہ دیا:

"For parents who wish to exhibit more control over the TV habits of their offspring, the easiest method would appear to be neglecting to fix TV set the next time one breaks down."

(جو والدین اپنے بچوں کی ٹی وی دیکھنے کی عادات پر کنٹرول کرنا چاہتے ہیں اُن کے لیے آسان ترین نسخہ یہ ہے کہ اگلی مرتبہ جب اُن کا ٹی وی سیٹ خراب ہو تو اسے ٹھیک مت کروائیں۔

(4) نوجوانوں کے بیڈروم میں ٹی وی اور کمپیوٹر نامنظور

والدین کو چاہیے اپنے بچوں اور نوجوانوں کے میڈیا کے استعمال پر کڑی نظر رکھیں۔ اگر وہ نا سمجھی میں اپنے بچوں اور نوجوانوں کے بیڈروم میں ٹی وی یا کمپیوٹر رکھ دیں تو اُن کی ساری محنت پر پانی پھر جاتا ہے۔ اِس کی آخر کیا وجہ ہے؟ بچوں کے کمرے سے میڈیا کو دور رکھنا ایک بہترین قسم کا فطری کنٹرول ہے۔ 1999ء میں امریکہ کی بچوں کے ڈاکٹروں کی اکیڈمی (American Academy of Pediatricians) نے بچوں کے ڈاکٹروں (Pediatricians) کے لیے ایک پالیسی جاری کی تھی جس میں انہوں نے ڈاکٹروں سے کہا تھا کہ وہ بچوں کے کمروں کو الیکٹرانک میڈیا سے پاک فضا (electronic media free environment) والا بنانے کی ترغیب دیں۔

"Policy statement - Media Education" (Aug 1999) *Pediatrics*.

اس پالیسی میں ڈاکٹروں کو کہا گیا تھا کہ وہ والدین کو واضح الفاظ میں یہ نصیحت کریں۔

"Remove television sets from children's bedrooms."

(اپنے بچوں کے بیڈروم سے ٹی وی سیٹ نکال باہر کریں۔)

امریکہ میں بچوں کے میڈیا کے استعمال سے متعلق ایک بڑے سروے میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ ایسے بچے اور نوجوان جن کے اپنے بیڈروم میں ٹی وی سیٹ ہوتا ہے، ان سے زیادہ ٹی وی دیکھتے ہیں جن کے ڈرائنگ روم میں ٹی وی رکھا ہوتا ہے۔

چونکہ بچے زیادہ تر مطالعہ کتب اپنے بیڈروم میں کرتے ہیں، اس لیے ٹی وی یا کمپیوٹر کی بیڈروم میں موجودگی لامحالہ ان کے پڑھائی کے ٹوٹل وقت کو کم کر دیتی ہے۔

اسی سروے میں یہ خبر بھی بتائی گئی کہ 2 سال سے 18 سال کے بچوں اور نوجوانوں میں سے 53 فیصد کے اپنے بیڈروم میں ٹی وی (یا کمپیوٹر) موجود ہوتے ہیں۔

Stanger, J. and Gridina, N. (2000) "Media in the Home 1999 The Fourth Annual Survey of Parents and Children". APPC, Washington, D.C.

5) والدین کو بیرونی امداد

اکثر اوقات والدین کو دوسرے لوگوں یا اداروں کی طرف سے نصیحت اُن کی حوصلہ افزائی کا موجب ہوتی ہے۔ جب American Academy of Pediatrics نے 1999ء میں واضح طور پر یہ اعلان کیا تھا کہ دو سال سے کم عمر کے بچوں کو ٹی وی نہیں دیکھنا چاہئے کیونکہ اس سے اُن کے دماغ کی نشوونما پر بُرے اثرات پڑ سکتے ہیں تو مغربی ممالک کے والدین نے اس اعلامیے کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ایک سکول کی ہیڈ مسٹرس نے میری ون (Marie Winn) کو بتایا تھا:

"والدین اپنے بچوں کے ٹی وی دیکھنے کے متعلق احساسِ گناہ کا شکار ہوتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس مسئلے پر ہمارے سکول نے جو قدم اٹھایا ہے اور والدین کو ترغیب دی ہے کہ بچوں کے ٹی وی دیکھنے کے دورانیے کو روزانہ صرف ایک گھنٹہ کر دیں تو یہ چیز والدین کو دھکا لگانے میں مددگار ثابت ہوگی۔"

اسی طرح جب نیویارک سٹی کے ایک مشہور نرسری سکول نے تمام بچوں کے والدین کو ایک خط جاری کیا جس میں انہیں ہدایت کی کہ اپنے بچوں کے ٹی وی کو روزانہ ایک گھنٹے سے تجاوز نہ کرنے دیں تو اسکول کے اس قدم کو والدین نے بہت سراہا۔ ایک ماں نے The New York Times کو بتایا:

That letter gave me the finel push into curtailing television.

(اس خط نے مجھے فائنل دھکا دیکر تیار کیا کہ میں ٹی وی کو بالکل بند کر دوں۔)

ایک دوسری ماں نے جو اپنے تین سال کے بچے کی ٹی وی اور کمپیوٹر گیمز سے محبت کے آگے مجبور ہو چکی تھی، نیویارک ٹائمز کو بتایا:

''میں اپنے بچے کے سامنے بہت پریشر میں تھی اس لیے جب یہ خط آیا تو مجھے سکون ملا کیونکہ میں نے اپنے بچے کو بتایا کہ تمہارا سکول نہیں چاہتا کہ تم ٹی وی یا کمپیوٹر کے آگے بیٹھو۔''

گھر میں کمپیوٹر کہاں رکھا جائے؟

آج کل بعض اسکولوں میں اُونچا سٹینڈرڈ دکھانے کے لئے بچوں کو کمپیوٹر پر ہوم ورک ٹائپ کرنے یا اسی طرح کے کام کے لئے کمپیوٹر کے استعمال کا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض سادہ لوح والدین بچے کے استعمال کے لئے پرسنل کمپیوٹر خریدتے ہیں اور اسے بچے کے بیڈ روم میں رکھ دیتے ہیں۔ چند ماہ کے بعد والدین کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ بچوں کے ڈاکٹر اور ماہر نفسیات ڈاکٹر لیونارڈ سیکس (Leonard Sax) اپنی کتاب Why Gender Matters میں والدین کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اپنے بچے کے کمرے میں کمپیوٹر کو نصب کرنا دراصل پریشانی کو دعوت دینا ہے۔ ہم اپنے بچوں کی انٹرنیٹ پر حرکات (یعنی مختلف ویب سائٹس پر جانا) پر پہرہ نہیں دے سکتے۔ ایسی صورت میں ہمیں کچھ علم نہیں ہوگا کہ اپنے کمرے کی تنہائی میں ہمارا بچہ کمپیوٹر پر کیا کر رہا ہے.........اگر آپ نے اپنے نوجوان بیٹے یا بیٹی کے لیئے کمپیوٹر لازمی لینا ہی ہے تو اُسے فیملی روم یا ناشتہ کرنے کی جگہ یا گھر کی کسی بھی ''پبلک'' (کھلی ہوئی) جگہ پر نصب کریں جہاں پر آپ کے بچے کو علم ہو کہ آپ اُس کے کاندھے پر سے جھانک کر دیکھ سکتے ہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جب آپ کے بچوں کو پتہ ہوگا کہ آپ کسی بھی وقت بغیر وارننگ کے اُن کی کمپیوٹر پر حرکات و سکنات کو خاموشی سے آ کر دیکھ سکتے ہیں تو وہ آپ کے احکامات کو آسانی سے مانیں گے.........آپ کا بیٹا یا بیٹی آپ سے کہیں گے کہ اُن کے بیڈروم میں کافی جگہ ہے۔ آپ فیملی روم کو ان چیزوں سے آخر کیوں بھر رہے ہیں؟ آپ لاگ لپیٹ رکھے بغیر انہیں دوٹوک الفاظ میں بتائیں کہ بحیثیت والدین آپ کو اُن کی ای میل (emails) اور پیغامات (instant messages) کو دیکھنے کا پورا حق حاصل ہے۔''

Why Gender Matters (2005) New York, Broadway Books

اسی قسم کے مسائل ٹی وی کو بچوں کے بیڈروم میں رکھنے کی صورت میں پیش آتے ہیں۔ بچوں کے بیڈروم کو صرف سونے یا ہوم ورک کرنے کے لیے ہونا چاہیے۔ رات کو جونہی والدین خواب غفلت میں جاتے ہیں، بچے اپنے بیڈروم میں آہستہ آواز یا ہیڈفونز کے ساتھ ٹی وی چلا لیتے ہیں یا ٹی وی پر ویڈیو گیمز کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر والدین نے دجال کے اس ایجنٹ کو بچوں کے کمرے میں نہ رکھا ہوتا تو یہ مسئلہ پیدا ہی ہوتا۔

بہر حال والدین کو ایک بات یاد رکھنی چاہئے:

''جب آپ کا نوجوان بیٹا (یا بیٹی) رات کو کمپیوٹر یا ٹی وی کے ساتھ اکیلا ہوگا تو تیسرا شیطان ہوگا۔''

کھانے پر فیملی کے اکٹھے ہونے کی برکات

دجالی دور میں جو جھوٹ (دجل) عوام میں مشہور کیے گئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ٹی وی فیملی کو اکٹھا کرتا ہے کیونکہ تمام فیملی مل جل کر ٹی وی پروگرام دیکھتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ٹی وی کمپیوٹر، ڈش، آئی پاڈ، آئی پیڈ، آئی فون وغیرہ نے خاندانوں میں جتنی تفریق ڈالی ہے وہ شاید ہی کسی اور ایجاد نے کی ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ فیملی کو آج بھی وہی چیز اکٹھا کرتی ہے جو صدیوں سے کرتی چلی آرہی ہے یعنی فیملی کا اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانا۔ امریکہ میں ہونے والی ایک تحقیق میں امریکی ادارے Center for Addiction and Substance Abuse (CASA) نے یہ دریافت کیا:

"The more often teens have dinner with their parents, the less likely they are to smoke, drink or use drugs."

''جو نوجوان جتنا زیادہ اپنے والدین کے ساتھ رات کا کھانا اکٹھے کھاتے ہیں، اُن کے سگریٹ پینے، شراب پینے یا نشہ کرنے کی شرح اتنی ہی کم ہے''۔

(CASA: Center on Addiction and Substance Abuse, The Formative Years: Pathways to Substance Abuse Among Girls and Young Women Ages 8-22 (2003) pg. 59)

آخر کیا وجہ ہے کہ جو نوجوان لڑکے لڑکیاں اپنے والدین کے ساتھ اکٹھے کھانا کھاتے ہیں وہ معاشرتی برائیوں میں کم ملوث ہوتے ہیں؟ نامور امریکی ماہر نفسیات اور بچوں کے ڈاکٹر لیونارڈ سیکس (Lenord Sax, MD, PhD) اپنی کتاب Why Gender Matters? (مطبوعہ نیویارک 2005ء) میں ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسے والدین جو اپنے بچوں کے ساتھ کھانے پر جمع ہوتے ہیں، وہ اپنے بچوں کے مشاغل کے متعلق باخبر ہوتے ہیں۔ جن بچوں کی زندگیوں میں ان کے والدین دلچسپی لے رہے ہوتے ہیں، ایسے

بچے برائیوں کی طرف کم ہی مائل ہوا کرتے ہیں، اُن بچوں کے مقابلے میں جن کے والدین اپنے بچوں کے مشاغل کے متعلق لاعلم ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر لیونارڈ سیکس والدین کو بچوں اور نوجوانوں کے متعلق ایک اہم نصیحت کرتے ہیں:

''مجھے پتہ ہے کہ آپ مصروف ہیں۔ ہر کوئی مصروف ہے۔لیکن برائے مہربانی رات کے کھانے کو ایک خاندانی معاملہ بنائیں اور ایک اصول یاد رکھیں جس کو توڑنے کی گھر میں کسی کو اجازت نہیں دینی چاہئے۔جب فیملی کے تمام افراد رات کے کھانے کے وقت گھر پر موجود ہوں تو سب کو لازماً اکٹھے کھانا چاہیے۔میں یہ بار بار دیکھ رہا ہوں کہ فیملیوں میں علیحدہ کھانا ایک معمول بن گیا ہے۔والد باہر سے کھانے کی کوئی چیز لاتا ہے۔گھر آکر بچوں کو آواز دیتا ہے لیکن جب وہ بچوں کو کھانے پر بلاتا ہے تو کوئی بچہ جواب نہیں دیتا (کیونکہ بچے ٹی وی، ویڈیو گیم یا انٹرنیٹ پر آوارہ گردی میں مشغول ہوتے ہیں) چنانچہ باپ اکیلا ہی بیٹھ کر کھانا کھالیتا ہے۔کچھ دیر کے بعد اس کا 12 سالہ بیٹا کچن میں آتا ہے تو پیزا (Pizza) کے تین سلائس لے کر اپنے کمرے میں واپس چلا جاتا ہے۔کچھ دیر بعد اُس کی 15 سالہ بیٹی کچن میں آتی ہے اور پیزا کی طرف بے رغبتی سے دیکھتی ہے۔فریج سے کھانے کی کوئی اور شے نکالتی ہے جبکہ ساتھ ساتھ وہ اپنے سیل فون پر کسی سے باتیں کر رہی ہوتی ہے۔ماں مارکیٹوں سے سیر کر کے آدھے گھنٹے کے بعد گھر آتی ہے۔اب رات کو نیا کھانا تیار کرنے کا وقت نہیں اور ویسے بھی ہر کسی نے فرداً فرداً کھانا تو کھالیا ہے اس لیئے ماں بھی مائیکرو ویو (microwave) میں کوئی چیز گرم کر کے اکیلی کھالیتی ہے۔''

Why Gender Matters (2005) New York, Broadway Books

مل جل کر کھانے کے دوران بچے والدین سے اپنے دن بھر کے مسائل بیان کرتے ہیں اور والدین کی نصیحتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔بچوں کا والدین پر اعتماد بڑھتا ہے اور اُن کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے۔

باب 7

دجالی دور میں مسلم نوجوانوں کے لئے چند اصول

آج دجالی دور کے بگاڑ سے بچنے کیلئے مسلم نوجوانوں کو یہاں چند اصول بتائے جارہے ہیں۔اگر ہمارے مسلم نوجوان بھائیوں اور بہنوں نے اِن اصولوں پرعمل کیا تو امید ہے کہ وہ دجالی دور کے مکروہ اثرات سے محفوظ رہیں گے۔

بھیڑ چال سے بچیئے!

نوجوانوں کو سب سے زیادہ نقصان اپنے ہم عمروں کے پیروی کی وجہ سے ہوتا ہے۔نوجوان اپنے ہم عمروں کی حرکات اور اخلاق کو نہایت تیزی کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔اس لیے نوجوانوں کو اپنے دوستوں کے انتخاب میں مذہبی پن (religiosity) کو سب سے زیادہ اہمیت دینی چاہیے اور انہیں بھیڑ چال والی ذہنیت سے بچنا چاہیے۔بری صحبت بڑی تیزی سے اثر کرتی ہے اور نوجوانی کی عمر سب سے زیادہ اثرات کو قبول کرنے

والی عمر (receptive age) ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے ہمیں حدیث مبارک میں متنبہ کر دیا ہے:

اَلمَرْءُ علی دِینِ خَلِیلِہٖ فَلیَنظُر اَحَدُ کُم مَن یُّخَالِل۔

(اس حدیث کو ترمذی نے صحیح کہا ہے اور ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔)

''انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔لہٰذا ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسے شخص کو دوست بنا رہا ہے۔''

نوجوانوں کے لیے اپنے ہم عمر ساتھیوں کے دباؤ (Peer Pressure) سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اکثر نوجوان بھیڑ چال میں شامل ہو جاتے ہیں اور اپنا دماغ استعمال نہیں کرتے۔صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنہوں نے بذات خود نوجوانی میں اسلام قبول کیا تھا۔انہوں نے نوجوانوں کو زمانہ پرستی اور نقالی سے منع فرمایا تھا۔ آپؓ کا قول ہے:

لَایَکُنْ اَحَدُ کُمْ اِمَّعَۃٌ یَقُوْلُ اَنَا مَعَ النَّاسِ، اِنْ اَحْسَنُوْ اَحْسَنْتُ وَاِنْ اَسَاؤُ اَسَاْتُ وَ لٰکِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَکُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ وَاِنْ اَسَاؤُ اَنْ تَجْتَنِبُوْا اِسَاءَ تَھُمْ۔

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ المعجم الکبیر طبرانی، جلد۹)

''تم میں سے کوئی شخص ہاں میں ہاں ملانے والا نہ بنے اور کہے کہ میں تو لوگوں کے ساتھ ہوں۔اگر وہ نیکی کریں گے تو میں بھی نیکی کروں گا اور اگر وہ برائی کریں گے تو میں بھی برائی کروں گا۔نہیں بلکہ اپنے نفس کو نیکی پر جماؤ جب لوگ نیکی کریں، اور جب وہ بُرائی کریں تو تم برائی سے اجتناب کرو۔''

اسلام اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ بقول ایک شاعر: ع ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی''۔ اسلام مسلم نوجوانوں کو یہ درس دیتا ہے کہ آج میڈیا کی وجہ سے انہیں جو اپنے اردگرد برائی کی کثرت نظر آتی ہے انہیں اس بھیڑ چال سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ قرآن کے مطابق کثرت حق کا معیار نہیں بلکہ کثرت تو زیادہ تر فاسقوں کی ہوتی ہے۔

وَإِنَّ كَثِيراً مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُون ﴾ (سورہ المائدہ: ۴۹)

''اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کی اکثریت فاسقوں کی ہوتی ہے۔''

وقت کی قدر و قیمت کو جانیں

نوجوانی کے دور میں انسان کی صلاحیتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں، اس لیے علم حاصل کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی وقت نہیں ہوتا۔ جو نوجوان یہ قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں پھر وہ اس کی ساری زندگی تلافی نہیں کر سکتے۔ علم حاصل کرنے کے باب میں شیطان نوجوانوں کو سستی اور ٹال مٹول کے ذریعے دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ نوجوانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ابھی نہیں تو کبھی نہیں (Now or Never) جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا تھا:

مَا مَضَى فَاتَ وَالْمُؤَمَّلَ غَيْبٌ
وَلَكَ السَّاعَةُ الَّتِي أَنْتَ فِيهِ

''جو ماضی میں گزر گیا وہ تو ہاتھ سے نکل گیا اور مستقبل پردۂ غیب میں چھپا ہوا ہے۔ اور تمہارے لیے کام کرنے کی گھڑی وہی ہے جس میں تم ہو (یعنی زمانہ حال)''

امام غزالیؒ کے پاس ایک نوجوان طالبعلم تحصیل علم میں مصروف تھا۔ جب وہ علم حاصل کر چکا تو اُس نے جانے سے پہلے امام غزالیؒ سے درخواست کی کہ اسے کوئی ایسی جامع نصیحت کر دیں جو کل کو اُس کے لیے مشعل راہ ہو اور اُس کی قبر میں اس کی ساتھی ہو۔

اس کے جواب میں امام غزالیؒ نے اپنا طویل خط ''اَیُّھَا الْوَلَد'' کے نام سے لکھا جو کہ ایک مرشد کی اپنے شاگرد کو نصیحت ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنے شاگرد کو یاد دھانی کروائی کہ یہ اللہ کی اپنے بندے سے ناراضگی کی نشانی ہے کہ بندہ اِس دنیا میں اپنے آپ کو فضول کاموں میں مصروف کر لے۔ وقت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''اگر بندے کی زندگی کا ایک گھنٹہ بھی اللہ کی یاد کی بجائے فضول کاموں میں صرف ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ اُس کا افسوس طویل عرصے تک کرے...... اِس کے علاوہ عمل بھی علم کے ساتھ ضروری ہے۔ اگر تم سو سال تک بھی علم حاصل کرتے رہو گے تو اللہ کی رحمت کے مستحق تب ہی بنو گے جب تم اپنے علم پر عمل بھی کرو گے۔'' (بحوالہ: اَیُّھَا الْوَلَد، مطبوعہ کیمبرج، اسلامک ٹیکسٹ سوسائٹی، 2005ء)

اسی موضوع پر امام شافعیؒ نے نوجوانوں کو اپنے درج ذیل اشعار میں نصیحت کی:

وَمَنْ لَمْ یَذُقْ مُرَّ التَّعَلُّمِ سَاعَةً
تَجَرَّعَ ذُلَّ الْجَھْلِ طُوْلَ حَیَاتِهِ

وَمَنْ فَاتَهُ التَّعْلِیْمُ وَقْتَ شَبَابِهِ
فَکَبِّرْ عَلَیْهِ اَرْبَعًا لِوَفَاتِهِ

وَذَاتُ الْفَتٰی وَاللهِ بِالْعِلْمِ وَالتُّقٰی
اِذَا لَمْ یَکُوْنَا لَا اعْتِبَارَ لِذَاتِهِ

(اور جس نے تعلیم کی کڑواہٹ چند گھڑیوں کے لیے نہیں چکھی، وہ پھر جہالت کی ذلت کے گھونٹ پوری زندگی پیتا ہے۔

اور جس نے جوانی کے زمانے میں تعلیم حاصل نہ کی۔ پس اُس کی وفات کے لیے چار تکبیریں پڑھو (یعنی اُسے مرا ہوا سمجھو)۔

اور خدا کی قسم نوجوان کی ذات علم اور تقویٰ سے ہے اور اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو اُس کی شخصیت کا کوئی اعتبار نہیں)۔

ہمارے نوجوانوں کے مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۝ (سورة الانعام: آیت 38)

(ہم نے اس کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔)

آج کے دجالی دور کے مسائل سے نمٹنے کے لئے ہمارے نوجوانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی طرف واپس پلٹیں۔قرآن کے اندر ہمارے نوجوانوں کے مسائل کا حل موجود ہے۔قرآن ہی ہمارے نوجوانوں کو نیا کردار عطا کرے گا اور اُن کی راہنمائی کرے گا۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

(اقبال)

یہاں یہ بات کو سمجھانے کے لئے مثال کے طور پر ایک میڈیکل کیس (clinical case) بیان کیا جاتا ہے جو عالم اسلام کے نامور ماہر نفسیات ڈاکٹر مالک بدری نے اپنی کتاب "The Dilemma of Muslim Psychologists" میں بیان کیا ہے۔ اپنی کتاب میں ڈاکٹر مالک بدری لکھتے ہیں کہ رباط یونیورسٹی مراکش کے ٹیچنگ اسپتال کے ذہنی امراض کے محکمہ (Neuropsychiatry Department) میں 1965ء میں اُن کے پاس مراکش کی ایک نوجوان لڑکی بطور مریضہ کے لائی گئی۔اُس کو بہت سی نفسیاتی بیماریاں تھیں مثلاً عام بے چینی، خالی پن کا احساس، ڈیپریشن اور بعض انجانے خوف (Phobic reactions)۔ڈاکٹر مالک بدری کے پاس علاج کے لئے اُس مریضہ کو

لانے سے پہلے ایک سال کے دوران میں اُسے دو مرتبہ ہسپتال داخل کروایا گیا اور بیچ میں اُسے اپنے علاقے کے کرخت مزاج کے جھاڑ پھونک کرنے والے کے پاس بھی لے جایا جاتا رہا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اُس لڑکی کو نہ تو ٹونے ٹوٹکوں سے آرام آیا، نہ جدید سائیکو تھیراپی سے ہی کچھ فرق پڑا۔ سکون آور ادویات (tranquilizing drugs) کے استعمال سے بھی اُسے شفا نہ ہو سکی۔ ڈاکٹر ملک بدری لکھتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے ایک مریض کو (جو ہسپتال سے خارج ہو رہا تھا) اخلاقی سہارا دینے کے لئے قرآن سے گناہوں کے کاموں کی معافی سے متعلق آیات پڑھ کر سنا رہے تھے:

وَسَارِعُواْ إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاء وَالضَّرَّاء وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُواْ اللّهَ فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ اللّهُ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَى مَا فَعَلُواْ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿

(سورہ آل عمران: آیات 135-133)

''دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بد حال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام اُن سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آ جاتا ہے اور

اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کرسکتا ہو اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔''

یہ آیات سن کر اُس مریض لڑکی نے فوراً جذباتی ردِعمل ظاہر کیا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چنانچہ وہاں کے سربراہ سائیکو تھیراپسٹ ڈاکٹر ایچ حبیب نے ڈاکٹر مالک بدری کو اُس مریضہ کے علاج کی ہدایت کی۔ ڈاکٹر مالک بدری لکھتے ہیں کہ وہ کچھ دن تک اُس مریضہ کو مسلسل قرآن کی گناہوں کی بخشش کے متعلق آیات سناتے رہے اور آسان الفاظ میں اُن آیات کی تشریح بھی کرتے رہے۔ ان کے الفاظ میں:

"That was the beginning of an emotional confession and a very quick improvement followed it."

''یہ جذباتی طور پر اعتراف گناہ کی ابتداء تھی اور پھر نفسیاتی طریقۂ علاج سے اُس کی شفایابی بہت تیزی سے ہونا شروع ہوگئی۔''

ڈاکٹر حبیب نے مریضہ کی تیز اور کامیاب شفایابی سے متاثر ہو کر ڈاکٹر مالک بدری سے بہت خوبصورت بات کہی جو ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے:

"I have always kept a copy of the Holy Quran in my office in the hospital for the last three years. It never occurred to me at any time to bring it down from the bookshelf as a therapeutic aid to my patients."

''ہسپتال میں میرے آفس میں پچھلے تین سالوں سے ہمیشہ سے میں نے قرآن کا ایک نسخہ رکھا ہوا تھا۔ یہ خیال میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا کہ قرآن کو بک شیلف سے اتار کر اپنے مریضوں کے علاج کے لئے استعمال کروں۔''

Badri, Malik (1979) The Dilemma of Muslim Psychologists, London, MWH London Publishers

مذہب اور عبادت سے لگاؤ پیدا کیجئے

مذہب سے لگاؤ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو سنجیدہ (Mature) بناتا ہے اور اُس کی سوچ کو ایک واضح سمت عطا کرتا ہے۔ مغربی ماہرین نفسیات کا باپ سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) جس نے تمام عمر مذہب کی مخالفت کی، اُس نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ جو لوگ مذہبی ہوتے ہیں ان کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ امریکہ کی یونیورسٹی آف ہوائی (University of Hawaii) کے ماہر نفسیات ڈاکٹر اینڈریو ویور (Andrew Weaver) نے نوجوانوں کے اخلاق و کردار کے مذہبی اور روحانی سرگرمیوں سے تعلق پر تحقیقات کیں اور اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ماں باپ اگر اپنے بچوں میں مذہب سے روحانی وابستگی پیدا کریں تو یہ تعلق نوجوانوں کو معاشرے کے برے اثرات سے بچاتا ہے تاہم ڈاکٹر اینڈریو کے مطابق نوجوانوں کو مذہب کی طرف مائل کرنے میں حکمت اور محبت سے کام لینا چاہیے، مار دھاڑ سے نہیں۔

(بحوالہ Lost Boys مطبوعہ نیویارک ۱۹۹۹ء۔)

ڈاکٹر اینڈریو نے یہ تجربات عیسائیت کے متعلق بیان کیے ہیں۔ شاید اُسے اسلام کی انسانوں کے قلوب کو بدلنے کی طاقت کا اندازہ بھی نہ ہو۔ اس سلسلے میں امریکہ کے عیسائی سیاہ فام ادیب جیمس بالڈون (James Baldwin) کی شہادت بہت اہمیت رکھتی ہے جو انہوں نے امریکہ کے سیاہ فاموں کی زندگیوں میں اسلام کی وجہ سے انقلاب کے بارے میں دی تھی۔ اپنی مقبول زمانہ کتاب "The Fire Next Time" (مطبوعہ لندن، ۱۹۶۲ء) میں پہلے انہوں نے امریکہ کے سیاہ فام لوگوں کی کسمپرسی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا:

"مجھے اپنے ہم نسل دوستوں کے متعلق کئی برس پہلے کا یاد ہے جب وہ شراب اور منشیات کے نشے میں مخمور ہوتے تھے اور میرے بھائی نے مجھے کہا تھا کہ ہارلم (Harlem) (نیویارک کا غریب شہر) میں اگر اتنے شرابی اور کباڑیئے نہ ہوتے تو یہاں خون کی ندیاں

بہہ جاتیں۔''

تاہم یہی منشیات کے عادی نوجوان جب اسلام قبول کرتے ہیں تو ان کی زندگیاں ایسی بدلتی ہیں کہ جس پر عقل دنگ رہ جاتی ہے جیسا کہ جیمس بالڈون اپنی کتاب میں آگے جا کر لکھتے ہیں:

''اسلام نے وہ کام کر دکھایا ہے جو ویلفیئر ورکرز کی کئی نسلیں اور کمیٹیاں اور رپورٹیں اور ہاؤسنگ پراجیکٹس بھی نہ کر سکے۔ یعنی شرابی اور آوارہ گرد لوگوں کی اصلاح، جیلوں سے رہائی پانے والے مجرموں کی شخصیت میں تبدیلی اور پھر انہیں جرائم سے آئندہ کے لیے باز رکھنا، مردوں کو پاک دامن اور عورتوں کو نیک بنانا اور نوجوان مردوں اور عورتوں میں وقار اور سنجیدگی کا بیج بونا جس کا اظہار اُن سے ایک نور کی صورت میں ہوتا ہے...... یہ سب اسلام ہی کا کرشمہ ہے۔''

بحوالہ: (مطبوعہ لندن، ۱۹۶۲ء The Fire Next Time)

مذہب انسان کی اہم ضرورت ہے۔ مذہب سے لگاؤ نوجوانوں کی زندگی کو معنویت دیتا ہے۔ اُن کی زندگی کو ایک سمت (sense of direction) عطا کرتا ہے بلکہ نوجوانوں کا دنیا کے متعلق نقطۂ نظر (world view) ہی بدل جاتا ہے۔ وہ اُس کی خاطر مرنے اور جینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ آسٹریا کے نامور ماہر نفسیات وکٹر فرینکل (Viktor Frankl) نے جرمنی کے عقوبت خانوں میں طویل قید کے دوران مختلف انسانوں کی نفسیات کا قریب سے تجزیہ کر کے اپنی کتاب "Man's Search for Meaning" (مطبوعہ امریکہ 1993ء) میں یہی مشاہدہ بیان کیا تھا کہ انسان کی سب سے گہری خواہش ہی یہ ہوتی ہے کہ اپنی زندگی میں معنی اور مقصد تلاش کرے۔ اگر انسان کی زندگی میں مقصد نہ ہو تو اسکی شخصیت میں ایک طرح کا خلا "Existential Vacuum" پیدا ہو جاتا ہے۔ وکٹر فرینکل کے مطابق جس شخص کی زندگی میں مذہب سے لگاؤ یا کسی اور وجہ سے ایک مقصد پیدا ہو جائے تو اس کے بعد مصائب اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لئے اُس کے اندر

حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔جس شخص کو زندگی میں کوئی مقصد نہ ہو تو وکٹر فرینکل کے مطابق ایسا شخص زندگی میں بوریت اور بے چینی (existential anxiety) کا شکار ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی بے چینی اور زندگی میں مقصد کے فقدان اور مذہب سے دوری کی وجہ سے نوجوان بری صحبتوں یا منشیات میں پڑ جاتے ہیں''۔

ڈاکٹر وکٹر فرینکل نے اپنے نفسیاتی طریقہ علاج کا نام ہی Logotherapy رکھا جس کا مطلب ہے ''معنی اور مقصدِ زندگی سے علاج''۔ اِس طریقہ علاج کا ماٹو (Motto) جرمن فلسفی نٹشے (Niezche) کا مشہور قول ہے:

"He who has a why to live can bear with almost any how."

(Viktor E. Frankel, *Man's Search for Meaning*, Simon & Schuster, 1993)

(جس کا زندگی گزارنے کا کوئی مقصد ہے وہ ہر قسم کی مشکل یا تکلیف کو برداشت کر لے گا)

وکٹر فرینکل کے مطابق جدید دور کے انسان کو مادہ پرستانہ طرزِ زندگی نے عظیم مقصد سے محروم کر دیا ہے۔فرینکل کا یہ نظریہ کہ جدید مادہ پرستانہ زندگی نے انسان کی بے چینی میں صرف اضافہ ہی کیا ہے، دراصل اسلام کے بہت قریب ہے۔جب انسان کی زندگی میں خدا اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں ہوتا اور انسان کی زندگی کا مقصد آخرت میں کامیابی نہیں ہوتا تو ایسا انسان ایک طرح کے خلا (existential vacuum) کا شکار ہو جاتا ہے۔جس کا انجام بے چینی (existential anxiety) ہوتا ہے۔جب انسان اللہ کو بھلا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے آپ سے غافل کر دیتا ہے کیونکہ خدا فراموشی کا نتیجہ خود فراموشی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ

الْفَاسِقُونَ ﴾ (سورہ الحشر: آیت 19)

(ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں)۔

مسلم نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ جب اپنی زندگی کا مقصد طے کریں تو مادہ پرستانہ طرز زندگی سے بچیں کیونکہ یہ چیز اُن کے اندر صرف بے چینی (Anxiety) پیدا کرے گی۔ نوجوانوں کو اپنی زندگی کا مقصد دعوت دین اور غلبۂ اسلام کی جدوجہد کو بنانا چاہیے۔ امریکہ کی یونیورسٹی آف ہوائی (University of Hawaii) کے ماہر نفسیات انڈریو ویور (Andrew Weaver) کی تحقیق کے مطابق ماں باپ اپنے نوجوان بیٹوں اور بیٹیوں کی تربیت کے دوران ان میں مذہب سے روحانی وابستگی پیدا کریں تو نوجوانوں کو یہ تجربہ (Experience) معاشرے اور جدید دور کے زہریلے اثرات سے بچاتا ہے۔ اس تحقیق پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکہ کے کلینکل ماہر نفسیات (clinical psychologist) ڈاکٹر جیمس گاربارینو (Dr. James Garbarino) اپنی کتاب "Lost Boys" میں لکھتے ہیں کہ نوجوانوں کو معاشرتی زہر (Social Toxicity) سے بچانے کی ایک کارگر تدبیر یہ ہے کہ ان میں مذہب سے لگاؤ پیدا کیا جائے تاکہ ان کے اندر معاشرے کے دوسرے لوگوں کے لئے مؤدت اور رحمت پیدا ہو۔

(Garbarino, James (1999) *Lost Boys* , Simon & Schuster, New York)

صالحین کی صحبت اور برے ماحول کا بدلنا

عام طور پر اگر والدین اپنے بچوں کی پرورش صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق کریں اور والدین خود بھی اسلام پر مکمل طور پر کاربند ہوں تو اُن کے بچے صالح نوجوان بنتے ہیں۔

تاہم اگر والدین کی طرف سے دین پر عمل میں کمی ہو یا بچوں کی تربیت میں غفلت ہو یا پھر بیرونی دجالی ماحول اپنا زہریلا اثر دکھا جائے تو نوجوان خراب ہو جاتے ہیں جن کی اصلاح والدین کے لیے ایک لمحہ فکریہ بن جاتی ہے۔ آجکل تو نوجوانوں کو گھر سے باہر دوستوں یاروں کی بری صحبت میں جانے کی ضرورت بھی نہیں بلکہ دجال کے ایجنٹ ٹی وی، ڈش اور کیبل، پروگراموں کے ذریعے گھروں میں چور دروازے سے گھس کر نوجوانوں کو بری صحبت مہیا کرتے ہیں اور اُنہیں بگاڑ دیتے ہیں۔

بگڑے ہوئے نوجوانوں کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ نوجوانوں کے برے ماحول کو اچھے ماحول سے بدلا جائے اور اُن نوجوانوں کو صالحین کی صحبت مہیا کی جائے۔ صحبت کے اثر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ نیکوں کی صحبت نیکی کے راستے پر لگاتی ہے اور بروں کی صحبت انسان کو گناہوں اور برائیوں کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان کو جب صالح لوگوں کی صحبت میسر آتی ہے تو وہ ان نیک اطوار ہستیوں سے اچھے عادات و اطوار سیکھتا ہے، نصیحت حاصل کرتا ہے اور نیکی کے راستے پر چلنے میں اُسے استقامت حاصل ہوتی ہے۔

ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ۹۹ قتل کیے تھے۔ پھر وہ ایک عابد (راہب) کے پاس یہ پوچھنے کے لیے گیا کہ آیا اُس کی توبہ اللہ کے ہاں قبول ہو سکتی ہے تو عابد نے کہا کہ نہیں۔ اِس پر اُس شخص نے اُس عابد کو بھی قتل کر ڈالا۔ وہ شخص پھر توبہ کے متعلق پوچھتا رہا حتیٰ کہ وہ ایک عالم کے پاس گیا جس نے اُسے بتایا کہ فلاں بستی میں اُس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ سو آدمیوں کا قاتل شخص اُس بستی کی طرف چلا لیکن راستے میں اُس کی موت کا وقت آ گیا۔ موت کے وقت اُس شخص نے اپنے سینے کو صالحین کی بستی کی طرف کر دیا۔ اُس پر رحمت اور عذاب کے فرشتے اُس کے بارے میں آپس میں جھگڑنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے موت کے مقام اور صالحین کی بستی کے درمیان کی زمین کو سکڑ جانے کا حکم دیا اور فرشتوں سے کہا کہ اس شخص کی موت کے مقام سے اس کی پرانی بستی اور نئی بستی کے درمیان کا فاصلہ ناپیں تو وہ شخص

صالحین کی بستی سے ایک بالشت قریب نکلا اس لیے اُس کو اللہ نے معاف فرمادیا (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) (صحیح مسلم)

محدثین کرام نے اِس حدیث کی تشریح میں بیان کیا ہے کہ عابد کو اصلاح کا طریقہ نہیں آتا تھا، اس لیے وہ بیچارہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ اِس کے برعکس جب اُس سو آدمیوں کے قاتل نے ایک عالم سے اپنی اصلاح کے متعلق پوچھا تو وہ عالم یہ سمجھتا تھا کہ اُس موجودہ برے ماحول میں رہ کر اُس شخص کے لیے نہایت مشکل ہے کہ وہ توبہ کرے اور اس کی اصلاح ہو سکے کیونکہ نہ صرف:

ع یادِ ماضی عذاب ہے یارب

بلکہ پرانے ساتھی اُس شخص کو دوبارہ برے ماحول کی طرف بھی کھینچیں گے۔ اِس لیے اُس عالم نے اُس شخص کو ماحول بدلنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ فلاں بستی میں جا کر وہ رہے جہاں کے صالحین کی صحبت میں اُس کے لیے اپنی اصلاح کرنا آسان ہو جاتا۔

اس سلسلے میں ہماری اپنی تاریخ کی بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ سلطنتِ مرابطین کے بانی عبداللہ بن یاسین جزولیؒ نے شروع میں ۴۴۰ھ میں شمالی افریقہ کے بربروں کے بہت بڑے قبیلے جدال میں تبلیغ واصلاح کا کام شروع کیا۔ عبداللہ بن یاسین نہ صرف جید عالم تھے بلکہ زہد وتقویٰ میں بھی اپنی مثال آپ تھے اور ایک عالی شان ٹیچر بھی تھے۔ ابن یاسینؒ مختلف قبائل کے پاس جاتے اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دیتے اور منکرات وبدعات ترک کرنے کی ہدایت کرتے۔ ان قبائل کے امراء اور عوام میں حد درجہ بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اسلام کا نام تو جانتے تھے لیکن اس پر عمل سے بالکل ناواقف تھے۔ غریبوں کا استحصال، لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری ان میں عام تھی۔ طویل عرصہ تک تبلیغ کے باوجود صرف سات آدمیوں نے ابن یاسینؒ کی دعوت کو قبول کیا۔ باقی لوگوں کے لیے اُس برے ماحول میں رہ کر اپنی اصلاح کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ بالآخر ابن یاسین نے اپنی حکمتِ عملی (Strategy) کو بدلا اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے ہجرت

کر کے سینیگال کے ایک جزیرے نائیجر میں اپنے 7 ساتھیوں کولیکر مقیم ہوگئے۔ نائیجر میں انہوں نے ایک رباط (تربیت گاہ) کی بنیا د رکھی اور اُس میں بیٹھ کر کامل یکسوئی کے ساتھ عبادت اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ اسی رباط کی نسبت سے ابن یاسینؒ کی دعوت قبول کرنے والے ''مرابطین'' کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ اس خانقاہ کی تصویر ایک عرب ادیب سعید اعراب نے درج ذیل الفاظ میں کھینچی ہے:

''ابن یاسینؒ کی یہ رباط گویا ایک منارۂ نور تھی۔ خانقاہ کے مکینوں کے علم وفضل، اخلاص فی الدین اور زھد و ورع کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق آکر ابن یاسینؒ کی جماعت میں شامل ہونے لگے۔ اس طرح ابن یاسین کی جماعت روز بروز بڑھتی ہی گئی یہاں تک کہ اُس کی تعداد ایک ہزار سے اوپر پہنچ گئی تو انہوں نے ارادہ کرلیا کہ اب برائی کے خلاف جہاد بالسیف کریں گے .... جماعت مرابطین میں شامل ہونے کے ہر خواہشمند سے اُن کا پہلا مطالبہ یہ ہوتا کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور سابقہ زندگی کے گناہوں کے لیے اپنے اوپر حد جاری کرائے۔ اگر وہ یہ مطالبہ مان لیتا تو پھر اُس پر حد قائم کی جاتی۔ پھر ابن یاسینؒ اُس کی تعلیم وتربیت کا ذمہ لیتے۔ وہ اُسے قرآن وحدیث پڑھاتے اور احکام دین کی تعلیم دیتے۔ اُس کی کڑی نگرانی کی جاتی اور اسے لہو ولعب کا کوئی موقع نہ دیا جاتا۔''

(بحوالہ: ''یہ تیرے پراسرار بندے'' مصنف طالب الہاشمی۔ مطبوعہ لاہور، ۱۴۱۰ھ)

وقت کے ساتھ ساتھ صالحین کے ماحول میں رہ کر صالحین کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ مرابطین پورے شمالی افریقہ میں ایک صالح معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

مولانا محمد الیاسؒ (بانی تبلیغی جماعت) نے جب انڈیا کے میوات کے علاقے میں اصلاح اور تبلیغ کے کام کا آغاز کیا تو انہیں بھی وہی مشکل پیش آئی کہ وہ جن نوجوانوں پر دین کی محنت کرتے، جب وہ نوجوان شام کو اپنے غیر اسلامی ماحول والے گھروں میں جاتے تو مولانا کی ساری محنت پر پانی پھر جاتا تھا۔ پھر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مولانا کی سوچ

کا رُخ موڑ دیا۔ ایک مرتبہ میوات کے سفر کے دوران آپ کے سامنے بڑی تعریف کے ساتھ ایک نوجوان پیش ہوا جو میوات کے ایک مدرسے کا پڑھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر مولانا حیران رہ گئے کہ اس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی اور اپنی وضع قطع کے لحاظ سے ایک مذہبی شخص نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس وقت مولانا الیاس یہ سمجھ گئے کہ اب تک وہ میواتیوں کو اُن کے مشاغل اور ماحول میں رکھ کر انہیں اسلامی علم دینا چاہتے تھے۔ پھر ہوتا یہ تھا کہ وہ انہیں نہایت محنت سے اسلام کی باتیں سکھاتے مگر جب چند لحموں کے بعد وہ نوجوان اپنے گھر اور اپنے ماحول میں واپس پہنچتے تو وہاں غیر اسلامی باتیں مولانا کی تمام محنت پر پانی پھیر دیتیں۔ اُس کا حل مولانا نے یہ نکالا کہ انہوں نے میواتیوں کو اُن کے ماحول سے نکال کر اسلامی ماحول میں اتنی دیر رکھنا شروع کیا کہ غیر اسلامی ماحول میں جا کر وہ اسلامی رنگ صاف نہ ہو سکے۔ انہیں مسجدوں میں، دینی مدارس میں، بزرگوں کی صحبت میں اور وعظ و تلقین کے ماحول میں ایک عرصہ تک رکھ کر انہیں تعلیم دی جائے۔ اس کے بعد مولانا کو اپنے مشن میں بے پناہ کامیابی حاصل ہوئی۔ (تبلیغی تحریک، مطبوعہ نئی دہلی، ۱۹۹۴ء)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے علامہ اقبالؒ کے ساتھ مل کر پٹھان کوٹ میں ہجرت کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا اُس کا مقصد بھی یہی تھا کہ خالص دینی ماحول قائم کیا جائے جہاں پر نوجوانوں کی تعلیم اور تزکیہ کا اہتمام کیا جا سکے۔

جوانی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے فوائد

جوانی کی توبہ نہ صرف ''شیوہ پیغمبری'' ہے بلکہ اس کے بے انتہا فوائد بھی ہیں۔ جوانی دیوانی نہیں ہوتی بلکہ جوانی کا دور جدوجہد کا دور ہوتا ہے، انسان کے لیے راتوں کو جاگ کر دین کا علم حاصل کرنا اور عبادات کرنا آسان ہوتا ہے۔ جوانی میں انسان پر اتنی ذمہ داریاں نہیں ہوتیں، زیادہ سے زیادہ بیوی اور چھوٹے بچے ہوتے ہیں۔ جب آدمی کی عمر

بڑھتی ہے تو اُس پر ذمہ داریاں بھی بڑھتی چلی جاتی ہیں اور اس کا کنبہ اور اس کے مسائل بھی، جو اُس کی اچھی خاصی قوتیں اور وقت لے جاتے ہیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت جانو۔ (مستدرک الحاکم)

جوانی میں مذہبی طرزِ زندگی اختیار کرنے اور بڑی عمر میں مذہبی بننے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ نوجوانی میں معاملات بڑی حد تک انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ نوجوان ایک مذہبی رفیقۂ حیات کا انتخاب کر سکتے ہیں، زندگی میں اپنا راستہ منتخب کر سکتے ہیں، ایسا پیشہ منتخب کر سکتے ہیں جس میں حرام کی کمائی نہ ہو، وغیرہ۔ اس کے برعکس جو لوگ بڑی عمر میں مذہب کی طرف پلٹتے ہیں انہیں اسلام پر مکمل طور پر عمل کرنے میں نوجوانوں کی نسبت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ توبہ کا دروازہ مرتے دم تک کھلا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر سچی توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے لیکن جہاں تک مشکلات کا تعلق ہے تو بڑی عمر میں مذہب کی طرف پلٹنے کی صورت میں کبھی عورت کے لیے اُس کا بے دین خاوند دردِ سر بن جاتا ہے اور کبھی دیندار بننے والے مرد کے لیے اُس کی آزاد خیال بیوی گلے کا پھندا بن جاتی ہے۔ کبھی ان کی بے دینی میں پرورش پائی ہوئی اولاد شیاطینِ انس کا رول ادا کرتی ہے اور کبھی اُس شخص کے لیے اُس کا حرام کا پیشہ گلے کا طوق بن جاتا ہے جس سے چھٹکارا وہ ہدایت پانے کے بعد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سچ ہے کہ

''پہلے آیئے اور پہلے پایئے۔''

علامہ ابنِ رجب حنبلیؒ جوانی میں اطاعت الٰہی کے متعلق لکھتے ہیں: ''جس نے اللہ کو اُس وقت یاد رکھا جب وہ جوان اور توانا تھا، اللہ اُس کا اُس وقت خیال رکھے گا جب وہ بوڑھا اور کمزور ہو جائے گا اور اُسے بڑھاپے میں بھی اچھی قوت سماعت، بصارت، طاقت اور ذہانت عطا فرمائے گا۔ ایک اسلامی عالم سے جنہوں نے سو سال سے زیادہ عمر پائی تھی اور ذہنی اور جسمانی لحاظ سے تندرست اور توانا تھے، اُن کی صحت کا راز پوچھا گیا تو انہوں نے

جواب دیا: ''میں نے اپنی جسمانی صلاحیتیں اُس وقت گناہ سے باز رکھیں جب میں جوان تھا اور آج جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو انھیں اللہ نے میرے لئے بچا کر رکھا ہے۔''
(جامع العلوم والحکم - جلد ۱، صفحہ ۱۸٦)

جوانی انسان کی صلاحیتوں کا سب سے بہترین زمانہ ہوتا ہے اور جو لڑکے اور لڑکیاں عالم شباب میں اللہ کے حضور توبہ کرتے ہیں اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں، اللہ اُن کی قوتوں میں برکت دیتا ہے اور مزید اضافہ کرتا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت کردہ طویل حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم آج اللہ کو یاد رکھو تو کل وہ تمہیں یاد رکھے گا۔'' (جامع ترمذی، شیخ البانی نے ''دلیل الجنۃ'' (۳۱۸-۳۱٦) میں اِس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔)

ایک عرب شاعر نے نوجوانوں کو اپنے اشعار میں بڑے خوبصورت انداز میں نصیحت کی ہے:

أَیَا شَابًا لِرَبِّ الْعَرْشِ عَاصِی
أَتَدْرِی مَا جَزَاءُ ذَوِی الْمَعَاصِی
(اے خدا کی نافرمانی کرنے والے جوان! کیا تو جانتا ہے کہ گنہگاروں کی کیا سزا ہے؟)

فَإِنْ تَصْبِرْ عَلَى النِّیرَانِ فَاعْصِهِ
وَإِلَّا كُنْ عَنِ الْعِصْیَانِ قَاصِی
(پس اگر تو آگ پر صبر کر سکے تو (خدا کی) نافرمانی کر، ورنہ نافرمانی سے دور رہو جا۔)

وَفِیمَا قَدْ كَسَبْتَ مِنَ الْخَطَایَا
رَهَنْتَ النَّفْسَ فَاجْهَدْ فِی الْخَلَاصِ
(تو نے گناہ کس لئے کیے ہیں، تو نے اپنے آپ کو پھنسا دیا، اب نجات کیلئے کوشش کر)

نوجوان اور فریضہ اقامت دین

ہم نے پچھلے صفحات میں پڑھا تھا کہ اقامتِ دین کے مشن میں نبی کریم ﷺ کی سب سے زیادہ مدد نوجوانوں نے کی۔ آج بھی اقامت دین کا کام نوجوانوں کی مدد کا منتظر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس دین کو پوری دنیا پر غالب کرنا ہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلم نوجوانوں میں سے کون جنت میں اپنے لیے اعلیٰ ترین مقامات کے لیے بُکنگ (booking for highest stations in paradise) کرواتے ہیں اور کون اس عظیم کامیابی (فَوْزُ الْکَبِیْر) سے محروم رہ جاتے ہیں۔

اقامت دین ایک ایسی نیکی ہے جس کا مقابلہ جہاد کے علاوہ شاید ہی کوئی عبادت کرتی ہو۔ دعوت وتبلیغ اسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

﴿يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوا إِن تَـنـصُـرُوا اللَّـهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (سورہ محمد: آیت ۷)

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم حق کے راستے میں جما دے گا)۔

عام عبادات میں انسان کا اللہ سے رشتہ ایک غلام اور آقا کا رشتہ ہوتا ہے لیکن دعوت و تبلیغ کے کام کو اللہ تعالیٰ نے سورہ محمد (ﷺ) کی اِس آیت میں اللہ کی مدد کے مترادف قرار دیا ہے اور یہ روحانی ارتقاء کی آخری صورت ہے جو انسان اس دنیا میں حاصل کرسکتا ہے کہ اُسے اللہ کا مددگار (اَنصاری اِلَی اللہ) قرار دیا جائے۔ اِس لیے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ پیشہ چاہے کوئی بھی اختیار کریں (صرف اُس کا حلال ہونا شرط ہے) لیکن اپنی زندگی کا اصل مقصد (Long term Goal) اقامت دین کو رکھیں اور تمام زندگی وہ اور اُن کے بیوی بچے اُسی کے مطابق پلاننگ کریں۔ احیائے اسلام اور اقامت دین کے کام کے اجر وثواب

کا اندازہ حضور ﷺ کی اس حدیث سے ہوتا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ جس نے دین اسلام کی احیاء کے لیے پلاننگ کی (یعنی ایسا علم حاصل کیا) اور اُسے کام کرنے کا موقع نہ ملا تب بھی جنت میں اُس کے درجات انبیاء کے قریب ہوں گے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے:

مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ.

(روه الطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس مرسلاً رواه الدارمی عن الحسن مرسلاً)

(جس کو اس حالت میں موت آئی کہ وہ اس لیے علم حاصل کر رہا تھا یا کر رہی تھی تا کہ وہ اسلام کا احیاء کر سکے تو اُس کے درجات میں اور نبیوںؑ کے درجات میں جنت میں صرف ایک درجے (Level) کا فرق ہوگا۔)

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

(اقبالؒ)

باب 8

مسلم نوجوانوں میں احیائے اسلام کی لہر-امید کی کرن

دجالی تہذیب کے ایجنٹ اور پیروکار مسلم نوجوانوں کو موسیقی، منشیات، میڈیا اور جنسی بے راہ روی میں ملوث کر کے گمراہ کرنے کی بھرپور کوششیں کر رہے ہیں لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ بھی اپنی پلاننگ کر رہا ہے:

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴿﴾

(سورہ الِ عمران: آیت ۵۴)

(وہ (کفار) بھی خفیہ تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ بھی خفیہ تدبیریں کرتا ہے اور اللہ سب سے بہتر تدبیریں کرنے والا ہے)۔

مغربی استعمار، روشن خیال مفکرین اور دجالی ایجنٹ حیران اور خوف زدہ ہیں کہ اُن کی تمام تر کوششوں کے باوجود مسلم نوجوانوں میں اسلامی بیداری بہت تیزی کے ساتھ پیدا

ہورہی ہے۔

مسلم نوجوانوں میں بیداری کی لہر کی ایک ظاہری وجہ ہے اور ایک غیبی وجہ۔ ظاہری وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی آبادی بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ دجالی تہذیب کے علمبردار سیموئل ہنٹنگٹن (Samuel Huntington) نے مغربی دنیا کے اسلام کے خلاف خبث کو ظاہر کردینے والی کتاب The Clash of Civilizations (تہذیبوں کے ٹکراؤ) میں مسلمانوں کے خلاف یہ پیشین گوئی کی ہے:

''۱۹۸۰ء تک پوری دنیا کے عیسائیوں کی آبادی کی شرح ۳۰ فیصد تک پہنچی اور اب یہ شرح گرنا شروع ہوگئی ہے اور ۲۰۲۵ء میں پوری دنیا کی آبادی کا ۲۵ فیصد حصہ عیسائیوں پر مشتمل ہوگا۔ اِس کے برعکس مسلمان اپنی آبادی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی شرح کی وجہ سے اکیسویں صدی کی ابتداء میں پوری دنیا کی آبادی کا ۲۰ فیصد ہوں گے اور اگلے چند سالوں میں مسلمانوں کی آبادی عیسائیوں سے زیادہ ہوجائے گی اور غالباً ۲۰۲۵ میں پوری دنیا کی آبادی کا ۳۰ فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہوگا۔''

(*The Clash of Civilizations*، مطبوعہ لندن، ۱۹۹۶ء)

اسی طرح پیو ریسرچ سینٹر (Pew Research Center) واشنگٹن ڈی سی میں واقع امریکہ کا ایک تھنک ٹینک ادارہ ہے۔ پوری دنیا میں مذہب کی وجہ سے ہونے والی تبدیلیاں اور اُن کے معاشروں پر اثرات کے حوالے سے تحقیقات کرنا اس ادارے کا کام ہے۔ اِس ادارے نے پوری دنیا میں مختلف عمروں (different age groups) کے مسلمانوں کی آبادی پر بھی تحقیقات کی ہیں جس کی رپورٹ جنوری 2011ء میں شائع ہوئی تھی، جس کا عنوان تھا:

"The Future of the Global Muslim Population"

اِس رپورٹ میں امریکی محققین لکھتے ہیں:

''1990ء میں مسلمان آبادی کے ممالک کے دو تہائی مسلم عوام کی عمریں 30 سے کم تھیں۔ آج اُن ممالک کے 30 سال سے کم عمر کے لوگوں کی تعداد، اُن ممالک کی مجموعی آبادی کا ساٹھ فی صد (60%) ہے...... مسلمانوں کی عالمی آبادی اگلے آنے والے کئی سالوں تک نسبتاً جوان رہے گی...... بیشک 2030ء میں پوری دنیا میں 15 سے 29 سال تک کی عمر والے نوجوان اور جوان مسلمانوں کی تعداد 540 ملین ہوگی جو کہ پوری دنیا کے کل نوجوانوں کی آبادی کا 29.1 فی صد بنتا ہے جبکہ مسلم نوجوان کی تعداد 1990ء میں 20 فیصد تھی، 2010ء میں 25.8 فیصد ہوئی اور 2030ء میں یہ بڑھ کر 29.1 فیصد ہو جائے گی۔''

Pew Research Center's Forum on Religion & Public Life (January 2011) "The Future of the Global Muslim Population" Projections for 2010 - 2030. Pg. 43

برطانیہ کے نومسلم مفکر عبدالحکیم مراد (سابقہ T.J.Winter) اپنے آرٹیکل "Islam and the New Millenium" میں اِس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مغربی مفکرین جس بات سے سب سے زیادہ خائف ہیں وہ یہ ہے کہ اگلے آنے والے سالوں میں عیسائی ممالک میں سب سے زیادہ آبادی بوڑھوں کی ہوگی جبکہ مسلمان ممالک میں سب سے زیادہ آبادی نوجوانوں کی ہوگی اور یہ آبادی شہروں میں مقیم ہوگی۔ عبدالحکیم مراد کے مطابق جب بھی کسی ملک کی آبادی کی اکثریت نوجوانوں کی ہو اور وہ شہروں میں مقیم ہو تو اُس کے نتیجے میں انقلاب اور معاشرتی تبدیلیاں آتی ہیں۔ یورپ میں سولہویں صدی عیسوی میں جس وقت پروٹسٹنٹ تحریک اصلاح (Protestant Reformation) کو کامیابی حاصل ہوئی اُس وقت جرمنی میں اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ اسلامی تاریخ میں سولہویں اور سترہویں صدی میں جو جلالی بغاوتیں شروع ہوئیں تو

اُن کی وجہ عثمانی خلافت کے دور میں نوجوانوں کی بیروزگاری تھی۔ جدید دور میں احیائے اسلام کی لہر میں بھی یہی رجحان دیکھا جاسکتا ہے۔عبدالحکیم مراد کے مطابق ۱۹۷۰ء کے اواخر میں ایران کی آبادی کی اکثریت نوجوانوں کی تھی (کل آبادی کا ۴۲فیصد) اور ۱۹۷۹ء میں ایران میں انقلاب آیا۔الجزائر میں ۱۹۸۹ء میں آبادی کی اکثریت نوجوانوں کی ہوئی اور اسی سال "FIS" نے کامیابیاں حاصل کرنی شروع کیں۔اکیسویں صدی میں تقریباً تمام اسلامی ممالک میں آبادی کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہوگی جس کا مطلب ہے کہ مسلمان ممالک میں معاشرتی تبدیلی رونما ہوگی۔آج تونس، لیبیا،مصر، یمن، شام بلکہ پورے مشرقِ وسطیٰ میں جو انقلابات (Arab Spring) آرہے ہیں،اُن کے پیچھے یہی عوامل کارفرما ہیں۔

مسلمان نوجوانوں میں مذہبی بیداری کی غیبی وجہ اللہ کا وعدہ ہے جو قرآن میں مذکور ہے کہ وہ اس دین کو پوری دنیا پر غالب کر کے رہے گا۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿ (سورہ الصف: آیت۸)

''یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

اسلام کے دشمنوں کو یہ بات سمجھ نہیں آسکتی کہ نورِ اسلام نے پوری دنیا میں پھیل کر رہنا ہے، چاہے وہ اسلام کے خلاف کتنی ہی سازشیں کرلیں۔آج کے مسلم نوجوانوں میں احیائے اسلام کی لہر بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔آج مغرب زدہ اور ماڈرن ماؤں کی بیٹیاں حجاب کی طرف واپس آرہی ہیں اور اپنے بے دین بزرگوں یا حکومتوں کی کوئی پرواہ نہیں کر رہیں۔فرانس کے اسکولوں میں مسلمان لڑکیوں کے حجاب نہ اتارنے کی مثال سب کے سامنے ہے۔نوجوان لڑکوں میں داڑھی عام ہوتی جارہی ہے۔حالیہ تاریخ میں پہلی

مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ آج مسجدوں میں بوڑھوں سے زیادہ جوان نمازی نظر آتے ہیں۔ یہی حال حج اور عمرے کی عبادات کا ہے۔سوڈان کے مسلم ماہر نفسیات ڈاکٹر مالک بدری اپنی کتاب "The AIDS Crisis" (مطبوعہ کوالالمپور، ۱۹۹۷ء) میں اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

''کچھ دہائیاں پہلے، حج پر آنے والوں کی اکثریت بوڑھے لوگوں کی ہوتی تھی جو مرنے سے پہلے یہ فریضہ انجام دینا چاہتے تھے۔تاہم حالیہ مذہبی بیداری کی طاقتور لہر کی وجہ سے اب معاملہ بالکل الٹ چکا ہے۔آج تقریباً ۸۵ فیصد حاجی جوان مرد اور عورتیں ہوتے ہیں۔گو کہ یہ جوان مسلمان جانتے ہیں کہ وہ سوئٹزرلینڈ (Switzerland) کی خوبصورت جھیلوں کے نظارے کرنے نہیں جا رہے اور نہ ہی وہ امریکی شہر لاس ویگاس (Las Vegas) کے جوئے کے اڈوں میں قسمت آزمائی اور عیاشی کے لیے جا رہے ہیں بلکہ وہ عرب کے تپتے صحراؤں میں حاجی کیمپوں میں رہائش کی سختی سے واقف ہیں پھر بھی وہ اپنی جیب سے پیسہ خرچ کر کے وہاں جاتے ہیں۔آج حج اور عمرے کے لیے جوان درخواست دہندگان کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے سعودی حکومت کو ہر ملک سے آنے والوں کیلئے کوٹہ رکھنا پڑا ہے ....یہی حال عمرے کا ہے۔میں نے ۱۹۹۶ء کے رمضان میں عمرہ ادا کیا۔تراویح کی نماز میں مسجد الحرام میں مزید انسانوں کے سمانے کی کوئی جگہ نہ تھی۔جن لوگوں نے ۲۷ویں رمضان مبارک کی نماز تراویح میں شرکت کی ان کی تعداد ۱۰ لاکھ سے زیادہ تھی۔جس جگہ میں مسجد الحرام میں نماز ادا کر رہا تھا وہاں سے میں نے جان بوجھ کر دیکھنے کی کوشش کی کہ حاضرین میں میری عمر کے بوڑھے کتنے ہیں جن کے سر کے بال سفید یا Grey ہو چکے ہیں۔یہ کام میرے لیے کافی مشکل ثابت ہوا کیونکہ حاضرین کی اکثریت سیاہ بالوں والے جوانوں پر مشتمل تھی۔''

پاکستان کے نوجوانوں میں اسلامی بیداری کی لہر کے متعلق امریکہ کے ٹائم میگزین کے 16 اکتوبر 2006ء شمارے میں ایک خصوصی آرٹیکل چھپا جس کا عنوان تھا:

"NO DATES, NO DANCING - Why Pakistan's university students are embracing the fundamentalist life."

مضمون کے پہلے صفحہ پر پنجاب یونیورسٹی کی ایک طالبہ کی تصویر ہے جس نے نقاب پہن رکھا ہے۔ مضمون نگار آرائین بیکر (Aryn Baker) اپنے مضمون کی ابتداء میں پنجاب یونیورسٹی کے کیمپس کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:

''آپ پنجاب یونیورسٹی کے 1800 ایکڑ وسیع سرسبز و شاداب کیمپس میں چہل قدمی کریں تو آپ کو ایسی کوئی چیز یا حرکات نظر نہیں آئیں گی جن میں کالج کے نوجوانوں کا لاابالی پن یا چھچھورا پن ظاہر ہو۔ یہاں موسیقی کے کانسرٹس پر پابندی ہے اور ڈائننگ ہال میں لڑکے اور لڑکیاں علیحدہ ہوتے ہیں۔ بہت سی طالبات یہاں پر کلاسیں لیتی ہیں جو اتنی باپردہ ہوتی ہیں کہ اُن کے چہروں پر نقاب ہوتا ہے اور صرف آنکھیں نظر آ رہی ہوتی ہیں۔ اِس سال جب یونیورسٹی کی انتظامیہ نے پڑھائی کے سلیبس (syllabus) میں علم موسیقی (Musicology) اور ناچ گانے سے متعلق ایک پروگرام شامل کرنے کی کوشش کی تو کیمپس میں احتجاجات پھوٹ پڑے۔ ''پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور ہمارے تعلیمی اداروں میں اس چیز کا اظہار ہونا چاہیے'' یہ بیان عمیرا ادریس نے دیا جو ماسٹرز کی ڈگری کے طالبعلم ہیں اور اسلامی جمعیت طلباء (IJT) کے سیکرٹری جنرل ہیں اور یہ کیمپس میں طلباء کی سب سے بڑی جماعت ہے............سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ مذہب کی اِس سخت فضا کو قائم رکھنے والے اِس یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات یا انتظامیہ یا حکومتی حکام نہیں بلکہ طلباو طالبات ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی میں IJT سب سے بڑی قوت ہے جو نہ صرف طلبا کے رسوم و رواج کو متاثر کرتی ہے بلکہ یونیورسٹی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوتی ہے۔''

آگے چل کر ٹائم میگزین کا مضمون نگار لکھتا ہے:

''جمعیت کے ممبران سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ مذہبی زندگی گزاریں گے اور قرآن کے نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کے حکم (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) پر عمل کریں گے۔ بہت سوں کے لیے اِس کا مطلب خشک زاہدانہ زندگی گزارنا ہے۔ ممبران باقاعدگی سے دروس کے لیے ملتے ہیں اور ہر مہینے کم از کم ایک مرتبہ پوری رات عبادات کے لیے ضرور جمع ہوتے ہیں۔ کلاس سے باہر لڑکوں اور لڑکیوں کے آزادانہ اختلاط سے بالکل اجتناب کیا جاتا ہے۔''

مختصر یہ کہ اِس مضمون کا کالم نگار ارائمین بیکر پاکستان میں نوجوانوں کے بڑھتے ہوئے مذہبی رجحان سے سخت خوف زدہ نظر آتا ہے۔

چند برس پہلے مصر میں اسلامی بیداری کی لہر کے بعد مغربی خبر رساں ایجنسی رائٹرز (Reuters News) نے یہ خبر شائع کی تھی کہ مصر کے موجودہ دور کی نوجوان لڑکیوں میں نقاب پہلے کی نسبت زیادہ دیکھا جارہا ہے:

''ماہرین یہ کہتے ہیں کہ پہلے حجاب (یعنی نقاب) معاشرے میں معیارِ زندگی (Status Indicator) کا نشان سمجھا جاتا تھا اور 30 سال پہلے تک تو یہ معاشرے کے صرف غریب طبقے میں عام تھا۔ اونچے طبقے (Upper Class) اور متوسط طبقے (Middle Class) کی خواتین شاید ہی کبھی جوانی میں نقاب کیا کرتی تھیں۔ نقاب اُس وقت بہت غیر معمولی چیز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب نقاب بہت عام ہوتا جارہا ہے۔ کالے رنگ کے لہراتے ہوئے عبایوں اور نقاب میں ملبوس خواتین کا مصر کے مہنگے شاپنگ سنٹرز (Shopping malls) اور فائیو سٹار ہوٹلوں میں دیکھا جانا اب روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔''

Karouny, Mariam (Nov. 2nd, 2009) Reuters
(http://www.reuters.com/article/2009/11/

02/us-egypt-niqab-idUSTRE59U17V20091102) Retrieved on: Oct 8th, 2012.

جو چیز مغربی عمرانی اور سیاسی سائنسدانوں کے لیے حیران کن ہے وہ یہ ہے کہ مذہب سے لگاؤ کا یہ بڑھتا ہوا رجحان مسلم معاشرے کے بوڑھوں میں نہیں بلکہ نوجوانوں میں دیکھا جا رہا ہے، ایسے نوجوان گریجوئیٹ جو اکثر اوقات میڈیکل، ڈاکٹری، انجینئرنگ یا سائنس میں ڈگریاں حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکہ کی ایموری یونیورسٹی (Emory University, Georgia) اٹلانٹا کی پولیٹیکل سائنسدان کیری وکہیم (Carrie Wickham) نے اسلامی بیداری کے رجحان کا مصر کے معاشرے میں مطالعہ کیا۔ وہ اپنی کتاب Mobilizing Islam (مطبوعہ نیویارک، 2002ء) میں لکھتی ہیں:

"The prototypical Islamic activist is not an illiterate peasant or laborer but a young, upwardly mobile university student or professional, often with a scientific or technical degree."

Wickham, Carrie Rosefsky. (2002) Mobilizing Islam: Religion, Activism and Social Change in Egypt. New York, Columbia University Press.

''ایک مخصوص اسلامیت پسند مصر میں کوئی ان پڑھ کسان یا مزدور نہیں ہوتا بلکہ ایک نوجوان یونیورسٹی کا طالب علم ہوتا ہے یا طالبہ ہوتی ہے یا کوئی پروفیشنل ہوتا ہے جس کے پاس اکثر اوقات سائنٹفک یا ٹیکنیکل ڈگری ہوتی ہے۔''

ترکی میں بھی یہی رجحان دیکھا جا رہا ہے جیسا کہ مصر میں یعنی یونیورسٹی کے طلباء و طالبات کی اسلام کی طرف واپسی۔ برطانیہ کے عمرانی جریدے British Journal of Sociology کے 1996ء کے شمارے میں شائع ہونے والی ایک تحقیق میں ڈاکٹر کے ہین مٹلو (Kayhen Mitlu) نے ترکی کے شہر انقرہ (Ankara) کے یونیورسٹی

جانے والے طلباء وطالبات کے مذہبی رجحانات اور مذہب پر عمل پر تحقیق کی۔ڈاکٹر مٹلو نے 1978ء میں اور پھر دوبارہ 1991ء میں انقرہ یونیورسٹی میں سرویز کیے۔ڈاکٹر مٹلو نے یہ دریافت کیا کہ 1978ء میں سروے کیے جانے والے طالب علموں کے مقابلے میں 1991ء میں سروے کیے جانے والے ترک طلباء میں اسلام سے وابستگی اور اسلام پر عمل کئی گنا زیادہ دیکھا گیا۔ڈاکٹر مٹلو کے مطابق موجودہ دور کے ترک طلباء چند سال پہلے کے طلباء کے مقابلے میں آج اِس بات پر زیادہ فخر محسوس کرتے ہیں کہ وہ عقیدہ توحید پر کاربند ہیں اور اُن کا جنت اور جہنم پر ایمان ہے،اُن کا قیامت اور قرآن پر ایمان ہے۔یہ ترکی جیسے سیکولر ملک میں بڑی گہری تبدیلی ہے اور یہ تبدیلی ترکی کی تعلیم یافتہ جوان آبادی میں دیکھی جارہی ہے۔

Mutlu, Kayhan (1996) 'Examining religious beliefs among university students in Ankara'. British Journal of Sociology. 47(2), 353-359.

اسی قسم کے رجحان کا مشاہدہ مغربی محقق کرسچین کائم (Christan G. Kiem) نے انڈونیشیا کے شمالی مولوکاس (Northern Moluccas) کے خطے میں اپنی عمرانی تحقیق کے دوران کیا۔محقق کائم (Kiem) نے اپنی ریسرچ کا مرکز ومحور مسلم اکثریت کے شہر ٹرنیٹ (Ternate) کی نوجوان آبادی پر دو متقابل لیکن متضاد اثرات (competing but completely different influences) پر رکھا یعنی مغربیت (Westernization) اور اسلامی احیاء (Islamic Reformism) محقق کائم نے یہ بات نوٹ کی کہ احیائے اسلام کا یہ عمل صرف انڈونیشیا کے شہر جاوا (Java) تک محدود نہیں بلکہ انڈونیشیا کے دوردراز کے جزیروں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔اپنی یہ تحقیق جو Journal of Social Issues in Southeast Asia کے فروری 1993ء کے شمارے میں چھپی، کرسچن کائم یہ انکشاف کرتا ہے کہ موجودہ احیائے اسلام کی لہر جو مختلف

اسلامی ممالک میں دیکھی جارہی ہے وہ بالخصوص وہاں کے نوجوانوں میں نظر آرہی ہے کیونکہ اُن کے لیے خالص قرآن وحدیث پر مبنی حقیقی اسلام، موجودہ دور کی ''مغربی جدیدیت'' کے خلاف ایک طرح کا دفاع مہیا کرتا ہے۔تاہم کرسچین کائم اپنی تحقیق میں یہ بات واضح کرتا ہے کہ مسلم نوجوانوں میں بڑھتا ہوا اسلامی رجحان صرف مغرب کی جدیدیت کے خلاف ایک ردِعمل نہیں ہے بلکہ یہ اُن مسلم نوجوانوں کا تزکیہ بھی کرتا ہے:

"Islamic resurgence, however, has to be understood not only as a reaction to socks-cultural modernization but also as an intra-Islamic development aiming at the purification of religious life from pre-Islamic beliefs and practices."

''تاہم اسلامی احیاء کو مغربی جدیدیت کے خلاف ایک ردِعمل ہی نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ یہ مسلمانون کے اندر کا ایک اصلاحی عمل بھی ہے جس کا مقصد ان کی مذہبی زندگیوں کو غیر اسلامی عقائد اور رسومات سے پاک کرنا ہے۔''

Kiem, Christian G. (Feb. 1993) "Re-Islamization among Muslim Youth in Ternate Town, Eastern Indonesia" Journal of Social Issues in Southeast Asia. Vol. 8, Issue 1, p 92.

عراقی سائنسدان محمد شدید نے 1984ء میں غزہ اور ویسٹ بینک (West Bank and Gaza) کے مسلمانوں پر ایک تحقیق کی۔اُس تحقیق کے مطابق 1978ء سے لے کر 1984ء کے درمیان اُس خطے کے مسلمانوں میں پانچ وقت کی نمازیں باقاعدہ ادا کرنے، رمضان کے روزے رکھنے، تلاوت قرآن کرنے اور مذہبی کتابیں پڑھنے میں واضح طور پر اضافہ ہوا ہے۔یہ اضافہ (increase) خاص طور پر کالج کے طلباء میں دیکھا گیا ہے۔ مثلاً 1978ء کے مقابلے میں 1984ء میں 25 سے 30 سال کی عمر والوں میں پنج وقتی نماز پڑھنے والوں کی تعداد میں خاصہ اضافہ ہوا ہے۔اسی طرح 11 % کالج کے نوجوانوں نے بتایا کہ وہ اب پہلے سے زیادہ باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں جبکہ اُن پڑھ

لوگوں میں یہ شرح 5.1% تھی۔

Shadid, Mohammad K. (1988) "The Muslim Brotherhood movement in the West Bank and Gaza". Third World Quarterly. vol. 10, issue 2, 658-6

الغرض کہ دجالی نظام کے مفکرین جس چیز پر سب سے زیادہ حیران ہیں وہ یہ ہے کہ جن اسلامی ممالک میں جدیدیت کا سیلاب زیادہ آیا ہے، وہیں تجدید و احیائے دین کی تحریکیں اور مسلم نوجوان سب سے زیادہ زور وشور سے اُٹھے ہیں۔ یہاں کتاب کے آخر میں ہم مغرب کے ایک معتدل قسم کے مستشرق پروفیسر جان ایل ایسپوزیٹو (John L. Esposito) کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ پروفیسر ایسپوزیٹو اسلام کے متعلق لکھنے والے عصرِ حاضر کے مستشرقین میں سب سے معتدل، بے لاگ اور سنجیدہ قسم کے مفکر ہیں۔ وہ اپنی کتاب "Islam: The Straight Path" (مطبوعہ برطانیہ، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۸ء) میں لکھتے ہیں:

> ''اسلام کی دورِ جدید کی تاریخ نے ہمارے بہت سے اندازوں کو غلط ثابت کر دیا۔ عام طور پر ہوتا یہی تھا کہ جب عوام کو ماڈرن بنایا گیا تو وہ سوسائٹیاں آہستہ آہستہ سیکولر بن گئیں۔ جدیدیت (Modernization) کا جو عمل ہے یعنی عقل کا استعمال، سائنس اور ٹیکنالوجی، اِن چیزوں سے سیکولرائزیشن کے عمل میں بہت مدد ملتی تھی .... مسلمانوں کے موجودہ دور کی مذہبی بیداری (Islamic Revivalism) نے تاریخ کے اِس ارتقائی نظریئے کو بالکل غلط ثابت کر دیا ہے۔ مذہبی بیداری اُن ممالک میں سب سے زیادہ دیکھی گئی ہے جن کو ماڈرن بنانے کی سب سے زیادہ کوشش کی گئی۔ مزید برآں، ٹیکنالوجی اور جدید تعلیم، بجائے مذہبی ایمان اور عمل کو نیچا دکھانے کے، اُلٹا مذہب کے حق میں استعمال ہونا شروع ہو گئے۔''

آج اگر مسلمان سیاسی لحاظ سے پستی کی آخری حد کو پہنچ چکے ہیں تو اسی رات کی تاریکی میں مسلم نوجوان صبح کی روشنی پیدا کریں گے کیونکہ اندھیری رات سے ہی سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے۔جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا تھا:

اِشْتَدِّیْ اَزْمَۃُ تَنْفَرِجِیْ
قَدْ آذَنَ لَیْلُکِ بِالْبَلَجِ !

(اے مصیبت تو جتنا چاہے سخت ہو جا! تجھے بہر حال دور ہونا ہے۔
تیری رات کی تاریکی نے سپیدۂ سحر کی آمد سے آگاہ کر دیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا آپ معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں؟

اصلاح معاشرہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں تک حق بات پہنچائی جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ (صحیح مسلم)

"جو شخص، کسی نیک کام کی طرف، کسی دوسرے شخص کی راہنمائی کرے گا، اُسے نیک کام کرنے والے کے برابر اجر اور ثواب دیا جائے گا"

آیئے اصلاحِ معاشرہ کے کام میں دینِ اسلام کی مدد کریں۔ جو لوگ بھی آپ کی کوششوں سے ہدایت حاصل کریں گے اور آپ کی دی ہوئی کتابوں کی وجہ سے جس گھر میں جو اچھے اثرات ہوں گے، آپ اُس اجر میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ڈاکٹر کو ہر مشتاق کی اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر درج ذیل کتابوں کے سیٹ کو خرید کر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو تحفے میں دیں:

1......ایک آنکھ والا دجال

2......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3......انسانی دل اور قبولِ اسلام۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4......معرکۂ روح و بدن

5......پردہ: عقلمند خواتین کا انتخاب

6......دجالی دور اور مسلم نوجوان

7......داڑھی کی اہمیت، قرآن و سنت اور جدید سائنس کی روشنی میں